مخزن



اطلاع: خط کتابت کے وقت نمبر رجسٹر ضرور تحریر کریں - ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی-

چھپ کر تیار ہے

صبح زندگی

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصہ سے انتظار تھا اور جس کی خریداری کی درخواستیں
دفتر مخزن میں پہنچنے سے بہت پیشتر ہی موصول ہو چکی تھیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب بہت
خوشخط قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے۔ قسم اول کے کاغذ کی چونکہ مانگ زیادہ ہے۔ اس لئے
قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو سو چھتیس ۲۳۶ صفحہ کی ہے۔ اور اس میں ایک
لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک کے وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق
ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرح کنواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں
جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب
کی وقعت۔ خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار۔ اطوار۔ عادات کے متعلق طرز بیان نہایت موثر
ہے۔ خانہ داری کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے کاڑھنے
کی بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں سینے اور کاٹنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دئے
گئے ہیں۔ عورتوں کی زندگی پر [illegible] اس کتاب کا [illegible] ہے۔ اور
پھوپھی کا بھتیجی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دینے سے تعلق رکھتی ہیں۔ زبان کی بابت
بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہل زبان یعنی مشہور
مشہور مصنف مولوی محمد عبدالراشد الخیری کی تازہ ترین تصنیف ہے۔
یہ عمدہ تحفہ کسی سے بہتر اپنی کتاب [illegible] مجلد قیمت

قیمت قسم اول عہ قسم دوم عہ علاوہ محصول ڈاک۔

درخواستیں بنام مینیجر مخزن لاہور آنی چاہئیں

مخزن

نظامِ شمسی ؂

تنقید ۱۹۵

برجہا دیدم کہ از مشرق بر آوردند سر — جملہ در تسبیح و در تہلیل حیّ لایموت
چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد — سنبلہ میزان عقرب قوس و جدی دلو و حوت

کہنے کو تو نظامِ شمسی دو حرفی بات ہے مگر غور کیجئے تو ہزارہا حیرت افزونیوں کا مصالحہ۔ لکھوکھا قسم کے عجائبات۔ کروڑہا کروڑ میلوں کی مسافت اور ب! اسب ٹنوں اور منوں کے بوجھ اس مختصر سے جملہ میں موجود ہیں۔ قلم اپنا اُنبالہ دار پر لئے بارہ برجوں اور سبع نہیں تسع سیارگان کی سیر کو نکلا ہے۔ مگر کیا کرے؟ وقت کہ دونوں ہاتھوں انسان کی زندگی اور اس کے کارناموں کو شپاشپ لپیٹنے میں مصروف ہے۔ فرصت نہیں دیتا کہ بہت کچھ کہا جائے۔ مضمون کی وسعت۔ ادھر وقت کی قلت۔ شوقِ تکلم و تحریر بے پایان۔ اُدھر سمع خراشی و تنگا آزادیٔ احباب کا ڈر۔ بدقتِ مناظر۔ اُدھر آلاتِ رصد کی ناموجودگی کروں تو کیا کروں۔ قلم رُک رُک کے چلتا ہے۔ ہاں سیر سماوی کوئی آسان کام نہیں

؂ یہ مضمون بزمِ اردو لاہور کے ایک قریب ترین جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔

اب حیرت میں ہوں کہ قدما کے علم نجوم اور تصورات و تصدیقات متعلقہ اجرام سماوی کا نقشہ کھینچوں۔ یا فلاسفہ یونان اور مسئلہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد کا ذکر چھیڑوں کہ کیونکر علۃ العلل کے ہاتھوں عقل اوّل مولود ہوا۔ پھر عقل اوّل نے فلک اوّل اور عقل ثانی کو پیدا کیا۔ عقل ثانی نے آسمان ثانی اور عقل ثالث کو پیدا کیا۔ علیٰ ہٰذا عقول عشرہ اور سبع نہیں تسع سماوات کا بیان کروں جو ان کے خیال میں شفاف مادّی کرے ہیں۔ جن میں نجوم لامعہ کے جواہر جڑے ہیں۔ اور آپ کے سامنے بلاخرق والتیام کھڑے ہیں۔ نہیں بلکہ چکر لگا رہے ہیں اور اپنی تاثیرات سے اہل زمین نہ فقط ابن آدم بلکہ جملہ حیوانات و نباتات و جمادات تک کو متاثر کر رہے ہیں۔ یا بسائط و مرکبات اور مقولات عشر کی گرہ کھولوں اور مادّہ کو ہیولیٰ کیا ہے۔ اجرام علوی و سفلی کے قوام میں اس کا کیا دخل ہے؟ یا یہ بیان کروں کہ کیونکر قدمائے ہند نے انسان کے نام اور سماوی اجرام میں پیوند لگایا۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کنیا۔ تلا۔ برچھیک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ مین۔ بارہ راشیوں کا بیان کروں یا نکشتر۔ اسونی۔ بھرنی۔ کرتکا۔ روہنی۔ مرگسرا۔ اورا۔ پونربس۔ پوکھ۔ اشلیکھا۔ مگھا۔ پوربا۔ اوترا ہست۔ چترا۔ سواتی۔ بشاکھا۔ انورادھا۔ جیشٹھا۔ مول۔ پورباکھاد۔ اتراکھاد۔ سرون۔ دھنشٹا۔ ست بکھا۔ پوربا بھدرا۔ اوترا بھدرا۔ اوریوتی کا حال سناؤں یا حال کی اسٹرانومی کی طرف توجہ کروں کہ حکمائے یورپ اور ہند سہ دانان گرینچ۔ ڈنسک۔ وٹیتا وغیرہ بڑی بڑی

رصدگاہوں میں کیا کیا باتیں نکال رہے ہیں۔ آسمان ہوا ہو کر اُڑ گئے۔ زمین چپٹی سے گول ہوگئی۔ آلاتِ رصد نے آسمانی دنیا میں عجیب وغریب انکشاف کئے اور کن کن پرانے دقیانوسی خیالات کا قلع وقمع ہوچکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مجبوراً چونکہ اِس ۱۵-۲۰ منٹ کے لئے کچھ نہ کچھ آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا ہے۔ لہذا صرف چند ایسی باتیں جو موجودہ تحقیق سے ثابت ہوچکی ہیں اور جن پر ایک زمانہ ایمان لاچکا ہے۔ عام فہم طریقہ پر پیش کرونگا تاکہ اردو دان پبلک کچھ نہ کچھ سمجھ سکے۔ لیکن جس قدر اب بیان ہوگا وہ تمہید سے بڑھکر قدر وقیمت نہیں رکھتا۔ اسی مضمون پر بندہ بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ آج صرف نظام شمسی کے مدار آفتاب شہر یار کے متعلق دو تین باتیں عرض کرنے پر اکتفا کرونگا۔ اگر آپ نے اسے پسند فرمایا تو آئندہ اسی طریق پر قمر عطارد زہرہ مریخ مشتری زحل یورینس اور نیپٹیوں کے متعلق بھی گذارش سے دریغ نہ ہوگا۔ افسوس ہے اگر میجک لنٹرن (جادو کی لالٹین) کا انتظام ہوسکتا تو نقشہ جات وغیرہ دکھا کر وہ باتیں بھی عرض کرسکتا جن سے اب قاصر ہوں۔

آفتابِ عالمتاب

سبحان اللہ کیا روشن نام ہے۔ سحر ہوئی اور کاسۂ زرّین کی طرح خُمِ فلک سے نکل اور آتشیں طلائی شعاعوں کا ہاتھ بڑھا کر جہان کو اپنے سیّال زر سے مالامال کرنے لگا۔ زرّہ نوازی اسے کہتے ہیں۔ جدھر دیکھو اس فیّاض کا ہاتھ ہر در و دیوار شجر و حجر دشت و جبل کو طلائی جامہ پہنا رہا ہے۔ نہر زرافشاں چُنی گئی۔ جس پر حباب کے رنگا رنگ موتی اپنی گوہر کا یاں دکھا رہے ہیں یہ بڑھے آسمان نے بھی جو صبح کے بادلوں کا دوشالا کندھے پر لئے ہے اس نو وارد کی حاتمیت سے حریر و پرنیان کے لباس پہن لئے۔ آفتاب کا مسافر نہ فقط سونے کا امڈتا ہوا دریا اپنی گرہ میں لایا ہے۔ بلکہ آبِ حیات کا سرچشمہ اسی کے انگشتِ شعاع سے رواں ہوتا ہے۔

آفتاب کی قدر ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے جسم کا بال بال اس کے احسان سے بندھا ہوا ہے۔ وہ کونسا وقت ہے جب ہم اس سرچشمۂ حیات سے فیضیاب نہیں ہوتے؟ آپ میرے اِس فقرہ کو مبالغہ پر محمول نہ کریں۔ اس کا حرف حرف قانونِ قدرت کی کتاب میں درج ہے۔ انسان کا دارومدار کار پردازانِ قضا و قدر نے سورج پر ہی رکھا ہے۔ آپ پوچھینگے۔ خیر مان لیا کہ دن کو ہم حرارتِ آفتاب اور اس کی ضو سے کام لیتے ہیں۔ مگر سورج فقط دن کا بادشاہ ہے۔ رات کو ہمیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ اس کا جوابِ اوّل تو یہ کہ

رات کی چاندنی اسی آفتاب کی وجہ سے ہے۔ سورج کی روشنی گو وہ افق سے بہت نیچے ہوتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ قمر پر پڑتی ہے اور اس کا انعکاس پھر زمین پر آتا ہے۔ اور یہی چاندنی ہے۔ مگر اس کو بھی جانے دیجیے۔ فرض کر لیجیے۔ موسم سرما کی لمبی ٹھنڈی راتیں ہیں۔ شب شب دیجور ہے۔ آسمان پر بادل گھرے ہیں اور آپ دوشالا اوڑھے۔ کواڑ بند کیے۔ انگیٹھی کے سامنے اہل بچوں سمیت سردی کا بھوت آتارنے کی فکر میں ہیں۔ دسترخوان پر گرم گرم چائے اور نان خطائی دھری ہے اور آپ بچوں کی پیاری پیاری بھولی بھولی باتیں سن سن کر جی کو خوش کر رہے ہیں۔ آپ فرمائینگے کہ بتلائے اب حضرت آفتاب علیہ الرحمۃ کہاں ہیں اور اس وقت اس بند کمرے اور اس شب تار میں ہمیں ان کی ذات با صفات سے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ہاں یاد رہے اب بھی گو شب تار اور موسم سرما ہے مگر آپ ان کے احاطۂ کرم سے باہر نہیں نکلے۔ لیجیے ہم ثابت کئے دیتے ہیں۔

ذرا آگ کو روشن کیجیے اور ملاحظہ فرمایئے کیا گرم گرم دلخوش کن لو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لو کوئلوں سے آئی اور یہ پتھر کے کوئلے کان سے نکل کر آئے ہیں۔ جہاں سینکڑوں فیٹ زمین کے نیچے بہادر کان کنوں نے جنکا دن شب تیرہ و تار سے کم نہیں۔ ان کو کھود کر ڈھیر کیا اور سٹیم انجن کی محنت نے سطح زمین پر ابھارا اور ریل گاڑیوں نے کشاں کشاں آپکے مکان تک پہنچایا۔ آپ پوچھینگے کہ کوئلوں کو آفتاب سے کیا تعلق؟ سنیے حضرت! آنکھوں پر خوردبین لگایئے اور ان کوئلوں کو ملاحظہ کیجیے معلوم ہوگا کہ ان کی بناوٹ پتھر کی سی نہیں بلکہ یہ کوئلے بھی درختوں اور پودوں سے بنے ہیں۔ ان کے رگ و ریشے صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی نرم نرم تازہ پھول

کی پنکھڑی کسی ننھی ننھی آغازِ بہار کی کونپل کسی سایہ دار درخت کے پتوں۔
نسیمِ بہار سے جھومنے والی شاخوں دیو دار اور پیپل کے سے درختوں کی پوشاک
یعنی چھال کی یادگاریں ہیں۔ جو کئی ہزار برس پہلے زمانۂ ماضی میں کسی آبادی یا
جنگل میں جانداروں کے لئے فردوس نظر تھے۔ میری طرف حیرت سے نہ دیکھئے
بلکہ سنئے کہ علمائے طبقات الارض یوں رقمطراز ہیں:۔

یہی جگہ جہاں کوئلوں کی کان موجود ہے یہاں کسی زمانے میں ایک وسیع
جنگل آباد تھا۔ تمازتِ پناہی حضرت آفتاب اس کے پتوں کی حرارت سے تواضع
کیا کرتے تھے۔ حشرات الارض و دیگر جانور اسی جنگل کی غربا نوازی سے مستفید
ہوا کرتے تھے۔

اپنے وقت پر یہ بھی گر گئے اور دوسرے درخت ان کی جگہ پیدا
ہو گئے۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی طرح کئی قرن گذر گئے اور پتوں پھولوں
اور پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پاس ہی سمندر تھا اور تب ایک انقلاب
عظیم واقع ہوا۔

آپ کو یاد رہے کہ زمین ساری کی ساری ایسی ہی ٹھوس نہیں جیسی ہمیں
معلوم دیتی ہے بلکہ علمائے طبقات الارض (جیالوجی) نے ثابت کیا ہے
کہ نیچے سیال مادے کے طبقات ہیں۔ جن پر یہ ساری خشک زمین اور
سمندر بعینہٖ ایسے ہیں جیسے اُبلتے ہوئے دودھ پر بالائی اسی اندرونی
سیال مادے کی وجہ سے یہ بھونچال آیا کرتے ہیں۔ کوہِ آتش فشاں پھٹا
کرتے ہیں۔ زمین کہیں نیچے ہو جاتی ہے کہیں اوپر۔ اور زمانے کے ہر حصہ
میں یہ انقلاب جاری رہتا ہے۔ غرض اسی انقلاب کی وجہ سے وہی زمین
جس پر جنگل آباد تھا آہستہ آہستہ نیچے ہوتی گئی اور سمندر اس پر آتا گیا تا آنکہ

تمام جنگل پر پانی پھر گیا اور یہ گلی سڑی نباتات سمندر کی تہ میں جا لگی۔ اب دوسرا دور شروع ہوا۔

سمندر میں دریا اور ندی نالے گر گر اپنے ساتھ کیچڑ لانے لگے اور یہ کیچڑ سمندر کی تہ پر جہاں یہ نباتاتی ذخائر پڑے تھے تہ در تہ جمتا گیا۔ صدیاں گذر گئیں اور یہ تہیں سخت ہو گئیں اور چٹان بن گئیں جن کے بوجھ سے نیچے کے نباتی ذخائر دب کر سخت ہو گئے اور ان کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ اب تیسرا دور شروع ہوا۔

خدا کی قدرت ہے۔ ہر زولے را کمال سمندر کی تہ کو آہستہ آہستہ نیچے جاتے سینکڑوں سال گذر گئے پرانے جنگل پر اب چٹان بن چکے ہیں اور ان پر سمندر کی لہریں موجیں مار رہی ہیں لیکن اب صعود کا زمانہ شروع ہوا۔ تا آنکہ اوپر کا حصہ پھر سطح آب سے باہر نکل آیا۔ اب وہی پرانے جنگلات کے ذخائر گزوں نیچے ہیں۔ ان پر چٹان اور ان پر اوپر یہی سرزمین ہے جس پہ اب نئے پھل پھول نکلے ہیں۔ آدمی بھی اس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر وہیں آباد ہو گیا اور اس کے قدموں کے نیچے وہی ہزاروں سال کی نباتی باقیات کوئلوں کی صورت میں مدفون ہیں جنکو وہ اپنی جانفشانی سے کھودتا اور استعمال کرتا ہے۔

یہ جنگل جسکو ہزاروں برس کی گردشِ روزگار نے کیا سے کیا بنا دیا جس وقت شروع شروع میں سرسبزی اور شادابی کی لہریں لیتا تھا۔ اس وقت تمازت و حدتِ آفتاب ہی سے اس کے رگ و ریشے میں خون دوڑتا تھا۔ اور گرمی اور روشنی اس کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر گئی تھی۔ یہی گرمی اور روشنی اس امینِ قدرت نے حضرتِ انسان کے لئے اپنے اندر جمع رکھی ہے اور

صدہا انقلابات بھی اس سے نہ چھین سکے۔ آج جب آپ اس کوئلے کو پھر آگ پر سکھتے ہیں۔ تو یہ کوئلہ وہی پہلی حرارت اور روشنی جو اس میں حضرتِ آفتاب نے ودیعت رکھی تھی۔ آپ کے ٹھنڈے اور اندھیرے کمرے میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ آپ اپنے سرد ہاتھوں کو سینکیں۔ گرم کھانے تیار کریں اور شکرِ حق بجا لائیں۔ غرض اس آگ کو آگ نہ سمجھئے۔ یہ سالوں کی دھوپ ہے جس کا منبع اور سرچشمہ چشمۂ آفتاب ہی ہے۔

آفتاب نے نہ فقط آگ آپ کے گرمانے کے لئے پیش کی۔ بلکہ چائے سے بھی آپ کی تواضع کی ہے۔ آپ تو چائے اب پکا رہے ہیں حضرتِ آفتاب اسی چائے کو آپ سے پہلے چین میں پکاتے رہے ہیں یعنی اُس وقت جب اُس کا پودا زمین سے نکلا تھا انھوں نے اپنی کرنوں سے اس میں حرارت ڈال کر یہی خواص جن سے اب آپ مستفیض ہو رہے ہیں ان میں پیدا کر دیئے تھے۔

پھر نہ فقط یہ چائے کے پتے آپ کے لئے آفتاب نے پکائے بلکہ اُن جہازوں کو بھی یہی حضرتِ آفتاب کھینچ کر لائے۔ جن میں یہ چائے دیگر ممالک کو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جہاز کچھ تو سٹیم کی مدد سے چلتے ہیں اور کچھ بادبانوں کی ناخدائی سے۔ آپ فرمائینگے۔ اِن بادبانوں کو تو ہَوا کے جھونکوں نے دھکیلا آفتاب کا ہاتھ کہاں سے آیا؟ مَیں تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ تو فرمایئے۔ ہَوا میں حرکت پیدا ہوئی تو کیونکر؟ سُنئے۔

زمین حرارتِ آفتاب سے گرم ہوئی اور اس لئے وہ ہَوا جو اس کے اوپر تھی وہ گرم ہو کر اوپر کو اُٹھی۔ اب خلا تو رہ نہیں سکتا۔ اِدھر اُدھر کی ہَوا فوراً بڑھ کر اس کی جگہ لینے کے لئے تیار ہو گئی۔ جو خلا اِدھر اُدھر کی ہوائیں آ گئے

بڑھنے سے پیدا ہوا۔ اس کی جگہ پوری کرنے کے لئے اور ہوائیں بڑھیں۔ غرضکہ اسی طرح ایک سلسلہ اور دَور شروع ہو گیا۔ جس کو آپ آندھی کہیں باد شمال کہیں۔ باد سموم کہیں۔ باد بہاری کہیں۔ یا جیسا فائدہ یا نقصان آپکو اس سے ہوتا ہو ویسا اس کا نام رکھ لیں۔ غرضکہ جہازوں کی آمد و رفت کا مدار بھی اسی سورج پر ہی رہا۔

اور لیجیے گرم پانی کا بھی سورج ہی سے تعلق ہے۔ پانی گرم ہوا کیتلی میں۔ کیتلی گرم ہوئی۔ آگ پر۔ آگ میں حرارت آئی کوئلوں سے۔ کوئلوں میں آفتاب عالمتاب سے۔

خود پانی ہی کو لیجیے۔ آپ کہینگے یہ تو پایپ سے ہی آیا ہے لیکن پایپ میں کہاں سے آیا؟ پائپ میں واٹر ورکس سے۔ واٹر ورکس میں دریا سے۔ دریا میں پہاڑوں کی برف پگھلنے سے۔ جنکو حضرت آفتاب نے پگھلایا۔ ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے کہ دریا میں پانی بارش کا آیا۔ بارش کا پانی بادلوں سے۔ لیکن بادل بھی تو بخرے ہیں جو سمندر سے اُٹھے اور کیونکر اُٹھے؟ صاف ہے کہ سورج کی گرمی سے اب یہی پانی جو پہلے سمندر میں تھا پھر سمندر ہی کو جا رہا ہے اور رستہ میں کچھ تھوڑا سا آپ کی کیتلی میں چائے کے کام بھی آگیا۔ قدرت کے کارندے یوں کام کر رہے ہیں۔

آپ کہینگے خیر چائے کی تواضع تو آفتاب نے کی۔ اب رہی نان خطائی یہ تو آٹے کی بنی ہوئی۔ شکر ہے حضرت آفتاب کی کرنوں کی تو نہیں۔ مگر ذرا صبر کیجیے آپ ابھی پورے پورے حضرت آفتاب ہی کے مہمان ثابت ہوئے جاتے ہیں۔

پھر وہی دَور شروع ہوتا ہے۔ نان خطائی تو آگ پر پکی اور آگ میں حرارت کوئلوں سے آئی اور کوئلوں میں آفتاب سے۔ مگر صرف اسی قدر نہیں گندم کو

بھی سُورج ہی نے پکایا اور یہ آٹا بھی سُورج ہی نے پیسا۔ آپ فرماوینگے یہ کیونکر؟ جواب یہ ہے کہ آخر پسنہاری نے کہاں پیسا؟ پن چکی میں۔ ہَوائی چکی میں مشین فلاور مل میں؟ یا اور نہیں تو اُسی پُرانی دقیانوسی دو پاٹ کی چکی میں جسے ہاتھ سے چلاتے ہیں۔ پن چکی کے لئے جیسا بیان ہو چکا دریا یا نہر میں پانی آفتاب نے چلایا۔ ہَوائی چکی کے لئے ہَوا کو حرکت آفتاب نے دی۔ مشین میں کوئلوں کی گرمی آفتاب کی وجہ سے آئی اور لیجے۔ اگر آپ ہاتھ ہی سے چکی چلاتے ہیں۔ تو آپ کے بازو میں سکت کہاں سے آئی۔ ظاہر ہے کہ روٹی کھانے سے اب اناج کو کس نے پکایا ظاہر ہے کہ اسی آفتاب نے۔ غرض حضرتِ آفتاب کا کرم اس قدر وسیع ہے کہ آپ کہیں بھی اس کے احاطۂ کرم سے باہر نکل نہیں سکتے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار　　شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نبری

اب ایسے بڑے سخی کا گھر دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ ہم سے کس قدر فاصلہ پر ہے؟ اس کے متعلق سُنئے سُورج کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کا پُورا اندازہ لگانا ذرا مشکل کام ہے۔ یہاں سے کھڑے ہو کر اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ سامنے سڑک پر کا درخت ہم سے کس قدر دُور ہے تو اندازہ یوں لگائینگے۔ کہ محمڈن ہال اتنے فیٹ لمبا ہے اس کے آگے پلیٹ فارم اس قدر چوڑا ہے اور اس کے آگے سڑک اس قدر لہٰذا درخت کا فاصلہ ہم سے اس قدر ہوا۔ لیکن آفتاب کی طرف نظر اُٹھاتے تو راستہ میں کوئی شے حائل معلوم نہیں دیتی۔ نہ نظر کو کچھ منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس بداہتاً آفتاب کا فاصلہ دریافت

کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مگر آجکل کے ریاضی دان ایسی کل کو مشکل سمجھتے ہی نہیں۔ اُنہوں نے ایسے طریق نکالے ہیں کہ یہیں سے بیٹھے بیٹھے تمام جائزہ لے آئے ہیں۔ اور ایسے صحیح نتائج نکالے ہیں گویا جریب سے پیمائش کی ہے۔ وُہ اس طرح کہ علم مثلث (Trigonometry) کے اصُول کے مطابق اگر ایک مثلث کا قاعدہ اور دو زاویہ معلوم ہو جائیں تو باقی اضلاع دریافت کرنا کوئی مشکل بات نہیں

اب فرض کیجئے ایک شخص شاہی مسجد کے مینار پر کھڑا ہے اور ہم دو شخص پریڈ میں ٹہل رہے ہیں۔ تو وہیں سے کھڑے کھڑے ہم اس کا فاصلہ اور مینار کی بلندی دریافت کر سکتے ہیں۔ وُہ اس طرح پر کہ ہم دُور دُور کھڑے ہو کر آپس میں کا فاصلہ ماپ لیتے ہیں اور پھر وہ زاویے ماپ لیتے ہیں۔ جو اس فاصلے کے ساتھ ہماری پتلی اور مینار کی چوٹی کا خط بناتے ہیں۔ بس ایک قاعدہ اور دو زاویے معلوم ہو گئے۔ اب سب کچھ نکل سکتا ہے۔ یہ زاویے معلوم کرنے بھی مشکل نہیں۔ اور نہیں تو معمولی موٹے کاغذ سے قینچی کے ساتھ ذرا ہوشیاری سے کاٹے جا سکتے ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کی تدابیر سے مغربی نجومیوں نے سورج کا فاصلہ دریافت کر لیا ہے دو نجومی مل گئے اور زمین کے مختلف حصص پر سے ایک ہی وقت حساب لگایا اور سوال حل ہو گیا۔ اور نہ فقط ایک طریق سے بلکہ ہزاروں مختلف صورتوں سے وُہی نتائج مترتب ہُوئے۔ پس صحت کا یقین لازمی امر ہے۔

سورج کا فاصلہ زمین سے کم و بیش ۹ کروڑ تیس لاکھ میل کا ثابت ہُوا ہے۔ اس عدد کو دیکھئے۔ کتنا بڑا ہے مگر پورا اندازہ لگانے کے لئے اس گھڑی کو ملاحظہ کیجئے۔ کوئی آئے کوئی جائے یہ اپنی ٹِک ٹِک برابر کئے

جا رہی ہے۔ ایک دو تین چار پانچ چھ ..... ایک منٹ میں ساٹھ دفعہ آواز دیگی۔ دیکھئے کیسے جلدی جلدی آواز دے رہی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۳۶۰۰ دفعہ ایک دن رات میں ۲۴ x ۳۶۰۰ دفعہ غرض اسی طرح حساب کرتے جائیے ۹ کروڑ تیس لاکھ بار صرف ٹک ٹک کرنے کے لئے ۳ سال سے زیادہ چاہئیں۔ گویا اب سے آپ گننے بیٹھ جایئے اور دن رات تین سال کے دراز عرصہ تک نہیں بیٹھے گنتے جائیے جتنی دفعہ یہ گھڑی اتنے عرصہ میں ٹک ٹک کرے گی۔ حضرتِ آفتاب آپ سے اتنے ہی میلوں کے فاصلہ پر ہیں۔ یا یوں سمجھئے آپ روز بمبئی میل اور کلکتہ میل پر سوار ہوتے ہیں اور کس قدر تیزی کے ساتھ سفر کر سکتے ہیں۔ آپ بعض دفعہ ۶۰ میل فی گھنٹے کے حساب سے راستہ طے کرتے ہیں۔ فرض کر لیجئے ایک آفتاب میل تیار ہوئی ہے اور آپ بجائے بمبئی اور کلکتہ کے حیثیتہ آفتاب کی طرف جانے کو ۶۰ میل فی گھنٹے کے حساب سے جانا شروع کرتے ہیں۔ اگر یہ ریل دن رات چلتی رہے اور کہیں نہ ٹھہرے تو آپ سال بھر میں ۵۲۵۶۰۰ لاکھ میل طے کرینگے۔ اب ۹ کروڑ تیس لاکھ میل طے کرنے کے لئے آپ کو ۱۷۶ سال سے زیادہ سفر کرنا چاہیئے تب آپ کہیں آفتاب کے کنارے کو چھو سکتے ہیں۔ محمد شاہ رنگیلا اگر نادر شاہ سے بھاگ کر ایسی ریل میں سوار ہو جاتا اور ۶۰ میل فی گھنٹے سفر کرتا رہتا تو شاید آج آفتاب تک پہنچ جاتا۔

اب خیال فرمایئے کہ اگر بادشاہی مسجد لاہور کے مینار پر آدمی کھڑے ہوں تو نیچے سے بالکل بالشتئے نظر آتے ہیں۔ وہ پہاڑ جس کے دامن میں کھڑے ہونے سے اُن کی چوٹیاں فلک سے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر انہیں

تین چار میل سے دیکھا جائے تو بمشکل کنارہ افق کو ڈھانپ سکینگے۔ لہٰذا کوئی چیز جتنی دُور ہو اُسی قدر وہ چھوٹی معلوم دیتی ہے۔ پس آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ایک طاس کے برابر نظر آتا ہے اس کا حجم کس قدر ہوگا؟ جب اسٹرانومر (نجومی) حساب لگاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُورج بہت بڑی چیز ہے۔ معلوم تو ایک چپاتی جتنا ہوتا ہے لیکن سارے محمڈن ہال سے بڑا ہے بلکہ سارے لاہور سے نہیں۔ سارے پنجاب سے نہیں سارے ہندوستان سے۔ بلکہ ساری دُنیا سے۔ ہماری زمین کا گولہ جب اس کا سُورج سے مقابلہ کیا جائے تو یہ مقدار میں ہیچ نکلتا ہے۔ آپ حیران ہونگے اگر آپ کو بتایا جائے کہ سُورج اِس قدر بڑا ہے کہ اگر ایک لاکھ کُرے زمین کے کُرے کی مانند ایک جا رکھے جائیں تب بھی وُہ سب مِل کر سُورج کے کُرے سے حجم میں کم ہی رہینگے۔ اگر سُورج کا کُرہ ایک فُٹ بال کے برابر سمجھا جائے تو زمین بندوق کے چھرّے کے ایک دانے کے بمشکل مطابق ہو سکتی ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝

اَے نادان انسان! ذرا ایک منٹ کے لئے سوچ تو کیا ناچیز ہستی ہے۔ اپنا مقابلہ اُن قدرت کی مصنوعات سے کر جن سے تو گھِرا ہے۔ پہاڑوں کا ایک ایک پتھر تیری ہستی کو نابود کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ پھر سوچ کہ تیری ہستی اس کرہ زمین کے سامنے محض صفر کے برابر ہے اور جب یہ سوچ چکے تو خیال کر کہ یہ دُنیا اُن اجرام سماوی کے سامنے پاسنگ کے برابر بھی نہیں جو تیرے سامنے لٹکتے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں تجھ جیسی لاکھوں جانیں تلف ہو جائیں تو جہان کو پرواہ نہ ہو اور تیری دُنیا جیسے لاکھوں اور کروڑوں گنی دُنیائیں نابود ہو جائیں تو نظامِ عالم

ہیں کوئی تغیر معلوم نہ ہو۔ اس پر سوچ کہ تیرا اکبر تیرا غرور تیرا ہمچو من دیگرے نیست۔کس قدر ہے گویا معاذ اللہ تو اپنے تئیں خدا جانتا ہے۔ ہاں بیشک تو خدا ہی ہے لیکن تو اپنی خدائی کو فریبِ ہستی کے ہاتھوں لٹا چکا ہے۔ تجھے دنیاوی تعلقات اور بھائیوں کے ساتھ جھگڑے اور تنازعے ہی اتنی فرصت نہیں دیتے کہ تو اس وسیع برادری کی طرف توجہ کرے جو سماوی برادری ہے اور اُن عجائبات کو دیکھے جو دن رات تیرے سامنے اپنے فرائض کے گیت گاتے ہوئے اچھلتے کودتے انکو انجام دیتے ہیں۔

خواجہ دل محمد صاحب دل ایم اے
پروفیسر اسلامیہ کالج۔ لاہور

نشترِ سخن علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ العباسی وکیل گورکھپور۔ دنیائے تصنیف و تالیف میں اس قدر نامبردار بزرگ ہیں کہ ہمیں اُنکی تعریف سے استغنا ہے۔ اور انکا نام ہی کتاب کی خوبی کیلئے کافی ضمانت ہے۔ حال میں آپنے ایک ضخیم کتاب ۲۷۴ صفحوں کی نشترِ سخن کے نام سے تالیف کی ہے۔ اس میں زبان اُردو کے نامور شعرا یا بانیوں کے کلام کا بہت ہی عمدہ انتخاب دیکر یہ دکھا دیا اور ثابت کر دکھایا ہے کہ عربی اور سنسکرت کی ایشیائی شاعری بہترین شاعری ہے۔ اور اُردو شاعری ان دونوں کے خرمن سے خوشہ چین بننے کی وجہ سے کمال اور حسن کے معراج پر پہنچ گئی ہے۔ دیباچہ میں زبانِ اُردو کی تاریخ پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جو اس بات کے موافقین و مخالفین کی کشمکش کو دور کرنے میں بعنایت مفید ہوسکتی ہے۔ قیمت فی جلد دو روپیہ ہے۔ اور منشی سیتلا بخش صاحب شائق لکھنوی گورکھپور۔ ممالک متحدہ سے درخواست کرنے پر مل سکتی ہے۔ **منیجر عباسی برادران**

کھیل

یہ مضمون ہمارے محترم قلمی معاون خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب
ممبر مال - کونسل آف ریجنسی ریاست بہاولپور کے دماغ نکتہ آفریں اور قلم لطافت
رقم کا چکیدہ ہے - اور ایسے ہی مضامین کی ملک کو ضرورت بھی ہے - جن سے
نئی نئی امنگوں کا ابھار ہوتا اور دماغوں میں جدت کا نور پرتو فگن ہو سکتا ہے -

قدرت نے مختلف اقسام کی اشیاء اور چیزیں پیدا کیں اور مختلف الوان او صور سے انہیں ترتیب دیا - تو کیوں؟ اس لئے کہ انسان جو مخلوقاتِ عالم میں سب سے اشرف اور نجیب الخلقت ہے - اُن مصنوعاتِ باری تعالیٰ سے عملی رنگ میں ہر نوع کے ذہنی - جسمانی اور روحانی - بلکہ ہر قسم کے حسی فوائد تک حاصل کرے اور اپنی ظاہری اور معنوی دونوں زندگیوں کے خوش آیند اور مفید بنانے میں کوشاں ہو -

اگر ہم چشم غور سے دیکھیں تو جو کچھ ہمارے ارد گرد سجا سجایا سامان پایا جاتا ہے - یہ ہمارے واسطے ایک بہت بڑا دلچسپ سامان ہے - سرخ - سفید - زرد ارغوانی اور آسمانی رنگ کی مختلف الالوان چیزیں - حیوانات - نباتات - جمادات یہ ایک ایسا خوش آیند سامان ہے - جس سے ہم مختلف صورتوں میں بشاشت اور فرحت حاصل کرتے ہیں - سامعت - بصارت - دماغ - ذہن - احساس اور دل اس سارے سامان سے ساعت بساعت بلا کسی معاوضہ کے جو حظ جو سرور او فرحت حاصل کرتے یا پاتے ہیں - اگر اس کی قیمت اور معاوضہ لگایا جاتے تو ایک بڑی بھاری رقم ہو سکتی ہے اور تسبیر

بھی اس آسانی سے ان کا مہیّا ہونا مشکل ہے۔

قدرت نے یہ کیوں کیا اور کیوں اس سامان کو ضروری سمجھا؟ اس واسطے کہ انسان کی زندگی اس کے بغیر کسی حد تک رائگاں اور دوبھر ہے۔ انسان خود بھی ایک مشغلہ ہے اور مشغلہ کا خواہاں بھی ہے۔ انسان کی زندگی شروع سے مشغلہ پسند ہے اور سلطان بھی۔ جاہل بھی اور ایک فلاسفر بھی۔ ایک رکھی بھی اور ایک دنیادار بھی۔ یہ کہا جائیگا کہ مشغلوں میں فرق ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جائیگا کہ کوئی ہستی مشغلہ سے خالی ہے۔ قدرت نے کس مقصد و مرکز پر یہ بنا رکھی ہے؟ صرف اس پر کہ سوائے ان مشاغل کے انسان کی زندگی محض بے لطف ہی نہ رہ جاتی۔ بلکہ اسباب صحت میں بھی گونہ کمی رہتی اور اس کی قوتوں اور جذبات میں وہ جدت نہ پیدا ہوتی۔ جس کی ضرورت ہے اور جس کے واسطے انسانی زندگی اور انسانی ہستی رشک مخلوقات بن رہی ہے۔

بچہ پیدا ہوتے ہی کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہتا ہے۔ کبھی یہ مشغلہ خوشی اور فرحت سے پورا کرتا ہے اور کبھی کھیل اور ہنسی میں اور کبھی رو دھو کر اس منزل سے گذرتا ہے۔

کہتے ہیں جب کوئی بچہ کسی نہ کسی مشغلہ میں نہ ہو اور خاموشی سے وقت گذار دے تو اس کے طبعی جذبات یا اس کی فطری حالت کی چلتی گاڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی روڑا اٹک جاتا ہے۔ اس کا خاموش ہونا بے مشغلہ رہنا علامت ہے اس بات کی کہ اس کی طبیعت کسی نہ کسی وجہ سے کند پڑ گئی ہے۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی نقص آ گیا ہے۔ بچہ بچپن میں جو حرکتیں کرتا ہے اور جن امور میں اس کی الھڑ زندگی کے دن گذرتے ہیں وہ سماں ظاہر کرتا ہے کہ انسان کہاں تک خوشی اور فرحت کا خواہاں ہے۔

اگرچہ انسانی زندگی کے ساتھ غم اور کلفت لازمی ہے۔ لیکن باایں ہمہ انسان ہمیشہ سرور اور خوشی کا خواہاں ہے۔ قدرت کی رعایات اور عنایات دیکھ کر انسان نے خود بھی اپنے واسطے سرور۔ خوشی۔ فرصت اور مسرت کے سامان پیدا کرنے میں کمی نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس بیابانِ جنون میں وہ بہت کچھ دُور تک چلا گیا ہے اور اُس نے اِن باتوں سے بجائے فوائد کے نقصان بھی اُٹھائے ہیں۔ اس دُھن میں بدقسمتی سے ایسی ایسی منزلوں سے گذرا ہے کہ اصل منزل ہی بھول گیا یا پیچھے چھوڑ گیا۔

تمام قوموں اور سارے ملکوں میں کسی نہ کسی رنگ میں کھیلوں کا وجود ضرور پایا جاتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی حد تک اُن کے عادی ہیں۔ کوئی کسی رنگ میں اور کوئی کسی رنگ میں۔ جس سرزمین میں انسان گیا اور جہاں اِس ہستی کے قدم پڑے وہاں ہی کوئی نہ کوئی کھیل یا تماشا مہیا کیا گیا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ انسان طبعاً اس کا عادی اور خواہشمند ہے اور وہ اِس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ اس کی خواہش محض نفسانی یا عارضی نہیں ہے بلکہ یہ ایک طبعی خواہش ہے اور اس سے اس کی زندگی پر ایک خاص اثر پڑتا ہے اور اگر وہ اس سے تمام عمر خالی رہتا ہے تو اپنی زندگی کے واسطے ایک قسم کی بُرائی اور خرابی خود پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ کھیلوں اور تماشوں میں بہت کچھ خرابیاں اور اخلاقی بُرائیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن بھئی بالذات اور نفسِ کھیل سے کبھی انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھیل صرف ایک کھیل ہی۔ یعنی کھیل سے ایک فضول اور عبث حرکت یا حرکات مراد ہیں۔ یہ ایک بُرا پہلو لیا گیا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض شخصوں نے کھیل کی صحیح فلسفی پر غور نہیں کیا اور یہ سوچا نہیں کہ یہ ہے کیا! اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ کھیل بمعنی کھیل یعنی فضول حرکات کے نہیں ہے بلکہ کھیل سے مراد وُہ تفریح اور وُہ ورزش اور وُہ فعل ہے جس سے انسانی زندگی کے کُل اور پُرزوں میں برنگِ عمل ایک قسم کی صحیح حرکت اور صحیح دَور پیدا ہوتا ہے اور انسان اُن افعال سے اپنے دماغ اور دِل میں ایک قسم کا تفریحی مواد بہم پاتا یا جہیّا کیا کرتا ہے۔ انسان کیوں اور کب کھیلنا چاہتا ہے۔ جب اس کی طبیعت پر کسی قسم کی اُداسی۔ تردد۔ کاہلی۔ سستی یا کلفت موثّر اور غالب ہو۔ جب وُہ ایک لگاتار مصروفیت اور کام سے تھک جائے۔ جب اس کا دماغ اور دل کام کرتے کرتے آرام کا خواہاں ہو جب وُہ ایک رواں حالت یا طاری کیفیت سے ایک دُوسری قسم کی آنا داتہ کیفیت کا ضرورتاً متلاشی ہو۔

اِن حالات میں کھیل کا نام دوسرے الفاظ میں ایک ایسا مشغلہ ہوا جو بجائے خود ایک کام بھی ہے لیکن اس میں بجائے تکان او کلفت کے ایک قسم کی آزادی اور سیر ہے اور دل و دماغ ایک خاص وقت تک اُسے پسند کرنے پر مجبور ہیں۔ کھیل سے بھی جب دِل و دماغ اُکتا جاتے ہیں تو وُہ بھی ایک کام اور پابندی ہو جاتا ہے اور اصل کام اور مصروفیت سے جب انسان اُکتا جاتا ہے اور کوئی کھیل چاہتا ہے تو وُہ کام بھی وبالِ جان ہو جاتا ہے۔ اس کی کلفت دُور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھیل تلاش ہوتا ہے۔ لگاتار۔ کام اور مصروفیت میں بدن ماندہ ہوتا اور تھک جاتا ہے اور بدن ہی نہیں بلکہ قوتوں

اور جذبات میں بھی ایک قسم کی ناتوانی اور کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے لیکن مناسب حد تک کھیل سے بدن میں توانائی اور رونق آیا کرتی ہے۔ اور قوتوں اور جذبات میں ایک قسم کی جدت صفائی مضبوطی ۔ روشنی اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔

جب کبھی انسان صبح سے شام تک کام کرتے کرتے انگڑائی یا جمائی لیکر اُٹھتا اور اِدھر اُدھر پھرتا چلتا ہے تو اس کی جان یا اُس کی طبیعت ایک قسم کی طمانینت میں آجاتی ہے اور جب وُہ کوئی خوش نما یا خوش آیند سماں دیکھتا ہے تو اس کو اَور بھی آسائش ملتی اور اس کی کلفت دور ہوتی جاتی ہے۔ کھیل کیا ہے؟ یہ بدن کی جسمانی اور رُوحانی قوتوں اور بڑھنے اور گھٹنے والے جذبات کو سماعی ۔ بصری اور عملی نظاروں اور تصوّرات، مشاہدات اور حرکات سے مستفید کرکے انہیں اپنے مرکز اور مواقع پر ٹھہرانے والا ہے اور وُہ غذا ہے جو قدرت نے عملی رنگ میں انسان کے جذبات اور اعصاب کے واسطے خود اسی کی طبیع میں ودیعت کر رکھی ہے ۔

ہر انسان اپنی ہی ذاتی نظر سے یہ معمّا ۔ آسانی سے حل کر سکتا ہے ۔ روزمرہ ورنہ ہفتہ میں ایک یا دو بار ضرور ہر انسان ایسے مشاہدات کرتا ہے کبھی کبھی ایک متردد اور پریشان انسان خوش آواز سُنکر یکایک اپنی جان اپنے بدن اور اپنے خیالات کے سمندر میں ایک قسم کی ایسی خاص کیفیت اور تموّج پاتا ہے کہ وہ اس کے غم زدہ اور افسردہ جذبات کے واسطے ایک مخصوص مشغلہ کی صُورت میں کمال فرحت بخش اور آسائش دہ با سرور انگیز ہوتا ہے ۔ بدن کے اعصاب میں ایک گرم جوشی اور اُمید آمیز حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان اپنے تیئں کسی اَور ہی رنگ اور صُورت میں پاتا ہے اس قسم کی تمام صورتیں اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ

انسان اور اس کے جذبات یا اس کی زندگی بالخصوص اُن افعال اور اُن حرکات سے آسائش پاتی ہے۔ جو اس کے معمولی یا روزمرّہ کے کاموں سے علاوہ کچھ اور ہی صُورت اور مختلف پہلو رکھتے ہیں۔

اس بحث سے ثابت ہے کہ کھیل یا کھیلنا اس حد کے اندر ہے جس کو ضرورت جائز رکھتی ہے۔ فضول اور عبث نہیں ہے اور واقعی نظام بدنی کے واسطے اسکی سخت ضرورت ہے اور اس سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ

ہر ملک اور ہر قوم کے کھیل جداگانہ کیوں ہیں؟ اِس کا یہ جواب ہے کہ جس طرح انسانی زندگی میں۔

"آب و ہوا۔

"ضروریات۔

"آداب معاشرت

کو بہت کچھ دخل ہے۔ اسی طرح پر کھیلوں اور کھیلوں کی ترتیب میں بھی ان امور کا بہت کچھ دخل ہے۔

سرد ممالک کے کھیل کوئی اور کیفیت رکھتے ہیں اور گرم ملکوں کے کھیلوں کا طور طریقہ کچھ اور ہے۔ جو قومیں سرد ممالک میں رہتی ہیں اُن کے کھیل گرم ممالک کی قوموں سے عموماً مختلف ہونگے۔ پہاڑی ملکوں اور پہاڑی قوموں کے کھیل کچھ اور کیفیت رکھتے ہیں اور میدانی اقطاع کے کھیل نسبتاً کچھ اور ہوتے ہیں اسی طرح مردوں عورتوں اور عوام اور خواص کے کھیلوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ نسبت کے اعتبارات سے کھیلوں کی تقسیم کی جاکر ترتیب دی گئی ہے۔ چونکہ لوگوں نے کھیلوں کی ہستی تقریباً لغو سمجھ رکھی ہے۔

اور یہ ورثہ ہمارے ملک یا ہماری قوموں میں صرف نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ہی دیا گیا ہے۔ اس واسطے ان کی بابت کوئی صحیح مجموعہ ہماری زبانوں میں نہیں مل سکتا۔ یہ ایک عملی اور علمی نقص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے کھیلوں میں کبھی کوئی ترمیم اور تجدید نہیں ہوتی اور دن بدن اُن کا مشغلہ موقوف اور ان کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

صرف صوبہ پنجاب میں لڑکوں اور لڑکیوں کے کوئی ۶۰ - ۷۰ کھیل ہونگے۔ اور اُن میں سے بعض کھیلوں میں نظامِ بدنی کے متعلق ایک ایک حکمت اور مفید کیفیت رکھی گئی ہے۔ لیکن اُن کی صحیح تفصیل ایک مجموعہ میں بہت مشکل سے ملیگی۔ پنجاب میں جس قدر پُرانے کھیل پائے جاتے ہیں۔ وُہ مردوں اور عورتوں میں ایک نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تقسیم شدہ ہیں۔ یہاں جو کھیل مرد کھیلتے ہیں وُہ عورتیں نہیں کھیلتیں اور جو کھیل عورتیں کھیلتی ہیں انہیں مرد پسند نہیں کرتے یا وُہ اُن کے مناسب حال نہیں ہیں۔ مردوں کے کھیلوں میں طاقت۔ مرزور اور دوڑ دھوپ زیادہ ہے۔ جسے عورتیں پسند نہیں کرتی ہیں یا اُن میں پُوری نہیں اُتر سکتیں مرد عورتوں کے خاص کھیل اس واسطے بھی نہیں کھیلتے کہ اُن میں واقعی ایک قسم کا زنانہ پن پایا جاتا ہے اور بعض کھیل ایسے بھی ہیں۔ جو مشترکہ کہے جا سکتے ہیں۔ کھیلوں کی کیفیتی تقسیم اور اس کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں:۔

(الف) دماغی کھیل۔

(ب) جسمانی کھیل۔

(ج) عملی کھیل۔

(د) علمی کھیل۔

دماغی صرف وہ کھیل ہیں جن سے دماغ کو خاص تعلق ہو اور سوائے دماغ سوزی کے اُن کی تکمیل نہ ہو سکے - جسمانی کھیلوں میں دماغ سوزی کم ہوتی ہے لیکن زور اور طاقت یا حرکات کا زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

علمی کھیلوں میں کفایت اور حکمت پر بحث ہوتی ہے۔

عملی کھیلوں میں عمل اور پابندیٔ واجبات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

غرضیکہ چاہے کسی قسم کا کھیل ہو - ہر کھیل ایک تفریح اور ایک نتیجہ ضرور رکھتا ہے - تفریح کے لحاظ سے وُہ دل و دماغ پر اثر کرتا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے جسم اور ضروریاتِ جسمانی پر موثر ہوتا ہے - کوئی کھیل ان دونوں مواد سے خالی نہیں - اور اگر کوئی کھیل اِن اُمور سے خالی ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ وُہ ابھی تکمیل طلب ہے - یا اس کی کیفیتِ تفریحیہ اور ضرورت پر کامل غور نہیں کیا گیا۔

کھیلوں کی بابت ہماری قوموں اور ہمارے ملکوں میں ایک ایسی بڑی عملی یا ترتیبی غلطی پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے اُنکی حقیقت مستتر اور اُنکا فائدہ مشکوک ہو گیا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کھیل صرف - نوعمر یا نوخیز نسلیں ہی کھیل سکتی ہیں اور لہو و لعب محض انہیں کا حصہ ہے - یہ ایک غلطی ہے - بہ نسبت نوخیزوں اور نوعمروں کے بڑی عمر والوں کو تفریح اور ورزش کی زیادہ تر ضرورت ہے - نوعمروں کے جذبات اور اعصاب خود بخود نشو و نما کے گہوارہ میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور وُہ سوائے اس کے کہ کوئی روک ہو جائے خود بخود ہی بڑھتے جائینگے - لیکن عمر رسیدہ لوگوں کے جذبات خصوصیت سے ارتقاء اور مواد محییہ اور اسباب نشوئیہ کے خواستگار ہیں - اُنہیں تفریح

اندرورزش کی زیادہ ضرورت ہے - جو شخص ایسی عمر میں کوئی مہذب اور مفید ورزش کرسکتا ہے اور کوئی کھیل کھیل سکتا ہے - تو یہ اس کا طبعی حق ہے -
ہمارے ملک میں جب کوئی بڑا بوڑھا آدمی ایسا کرتا ہے تو اُسے خواہ مخواہ نکٹو بنایا جاتا ہے - جاپان میں بوڑھے آدمی بعض ایسے خاص کھیل کھیلتے ہیں کہ لڑکے اور نوجوان اُن کی صرف سیر دیکھتے ہیں - یہاں جب کوئی صاحب مرکز و رتبہ یا صاحبِ عزت و مرتبہ کوئی ورزش کرتا یا کھیل کھیلتا ہے تو لوگ اس پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں - گویا انکی نگاہوں میں ایسے لوگ تفریح اور ضرورتِ زندگی سے فارغ خطی لے چکے ہوتے ہیں - اور اُنکی زندگی صرف اپنے مرتبہ کے رکھ رکھاؤ کے خیال ہی پر بسر ہو سکتی ہے -
یورپ میں رات کے کھانے کے بعد کوئی نہ کوئی کھیل یا مہذب مشغلہ ضرور ہوتا ہے - اور یہاں رات کے کھانے پر ہی سب قسم کی کلفتوں کا باب کھلتا ہے - اب ہمارے ملک میں بعض انگریزی کھیل بھی آگئے ہیں - بیشک اُن میں سے بعض کھیل بہت مفید ہیں - ضروری ہے کہ اُن کا چربہ بھی اُتارا جاتے - اور وُہ بھی کام میں لائے جائیں - لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہیئے کہ ملکی اور گھر کے کھیل بالکل ہی ترک کر دیئے جائیں -
جدید بیٹھی سے کوئی حرج نہیں لیکن کمی موجب نقص ہے ہاں غیر مہذب مضرِ صحت اور مزیلِ ناموس کھیل بیشک قابل ترک ہیں - اس میں بحث ہے کہ ہمارے ملک میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں - اُن سب کو کھیل کے زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ پنجاب میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں وہ سب ہمیں یاد نہیں ہیں - مگر اُن میں سے چند کا ہم کچھ بیان لکھتے ہیں - اِن کھیلوں کے نام پنجاب کے مختلف حصّوں میں مختلف بھی ہونگے

اور اس حد تک کے طرز عمل میں بھی فرق ہوگا اور بعض کھیل ایک جگہ کے سوا دوسری جگہ میں پائے بھی نہ جاتے ہونگے :۔

مردانہ کھیل

(۱) کَبَڈّی یا کوڈی۔

(۲) سونچی۔

(۳) اتہ پتا گلو گل پہاڑیا۔

(۴) تتر مور کسنا بہاسا۔

(۵) جیجو چیج کھدو لیا۔

(۶) گول گوڈی۔

(۷) اِٹ کھڑکا۔

(۸) کھدو بیٹی۔

(۹) مولی گھوڑی۔

(۱۰) اٹنی پٹنی پون سلائی جھٹ ائیں گئی۔

(۱۱) میری میری گھوباں۔

(۱۲) کوٹلہ چھپائی جمعرات آئی۔

(۱۳) لال پچی۔

(۱۴) اچپکنا مچکویا۔

(۱۵) خان خان متو نیا۔

(۱۶) تیج گٹا۔

(۱۷) لینگی ٹیرہ

(۱۸) گلی ڈنڈا۔

(۱۹) لاٹو۔

(۲۰) اک مکی چک لے دوجی تیار۔

(۲۱) اپنی گھوڑی یا اہتہ کھودانہ۔

(۲۲) رستہ۔

(۲۳) چھکڑی۔

(۲۴) چکڑ لوہا۔

(۲۵) لوکن چھپی۔

(۲۶) فیتہ۔

(۲۷) پھینک۔

(۲۸) تاش۔

(۲۹) شطرنج۔

(۳۰) سودی یا گیڑی۔

(۳۱) کنکوا یا پتنگ بازی۔

(۳۲) مگدر۔

(۳۳) منگلیاں یا موگریاں۔

(۳۴) توہد۔

(۳۵) لون پٹنا۔

(۳۶) چھلّہ

(۳۷) کوڈیاں۔

(۳۸) چھلی چھپیا۔

(۳۹) لال یا دودا۔

عورتوں کے کھیل

(۴۰) کمینوں -

(۴۱) گوڈیاں -

(۴۲) ککلکیلی -

(۴۳) کھدو کھیلے تھال پاسے -

(۴۴) کانوٹا -

(۴۵) بجاں تلیاں -

مشترکہ کھیلوں میں مثل کھیل ٹاٹ نمبر ۲۵ + ۲۸ + ۲۹ ہیں۔ پنجابی کھیلوں کی تاریخی کیفیت ابھی تک اخفا میں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض کھیل کسی دوسرے ملک سے بھی آئے ہوں +

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر مال
کونسل ریاست بہاولپور (پنجاب)

روزنامچہ نواب سر بلند جنگ بہادر

(چیف جسٹس حیدرآباد دکن)

۱۱۔ جنوری ۱۹۰۳ء قریب ڈھائی بجے کے میں محمد علی صاحب روگھی سے ملا اور انگو لیکر مورلیس صاحب کے خاندان کے لوگوں سے جو پارک لین میں رہتے ہیں ملنے گیا۔ بعد ازاں روگھی صاحب کے مکان پر کھانا کھایا اور ۱۰ بجے تک وہاں ٹھہرا۔ بانڈ اسٹریٹ میں میں نے دیکھا کہ بعض دوکانوں میں شہزادہ البرٹ وکٹر کی تقریب سالگرہ میں روشنی کی گئی ہے۔ میں سرکس تک اور تھوڑی دور ایجنٹ اسٹریٹ میں گیا۔ لیکن اس کے آگے روشنی نہ ہونے سے ویگو اسٹریٹ کی طرف پلٹا۔ اور بانڈ اسٹریٹ ہو کر میں اپنے کمرہ واقع گانڈ ویٹ اسٹریٹ نمبر ۱۸ کو چلا گیا۔ بانڈ اسٹریٹ میں بہت سی دوکانوں میں روشنی کی گئی تھی۔ اور پیکٹوں میں اور کانڈوپٹ اسٹریٹ کی دو ایک دوکانوں میں اچھی روشنی تھی۔

۱۲۔ جنوری آج تیسرے پہر مسٹر و مسز ہومرشم کاکس حسب وعدہ مجھ سے ملنے آئے اور چائے نوشی کے وقت تک ٹھہرے۔ میں ان کے آنے سے بہت خوش ہوا۔

۱۳۔ جنوری آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ برف باری ہو رہی ہے۔ قریب چار بجے کے میں اوپرا ہیٹ (کلاہ) خریدنے اور شیمپو کرانے (یعنی مصالحہ لگا کر سر دھلوانے) کے لئے باہر نکلا۔

۶۔ ساعت ۱۰ دقیقہ پر میں روگھی صاحب کے یہاں گیا اور اس کے بعد ہم سب ملکر نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کے جلسہ میں گئے۔ یہ کمرے کینڈاس

اسٹریٹ نمبر ۱۱ میں واقع ہیں اور یہ وُہ مکان نہیں ہے جہاں سابق میں جلسے ہُوا کرتے تھے۔ موجودہ کمرے بہ نسبت اُن کے بہت اچھے ہیں۔

بہت سے ہندوستانی احباب سے مُلاقات ہُوئی۔ لیڈی لمسڈن اور مسز بیگاٹ اور اُن کی بھتیجی سے مجھ سے تعارف کرایا گیا۔ لیڈی لمسڈن ہندوستان ہو آئی ہیں۔ مس مورس اور مجھ سے ایک عرصہ دراز تک تھیو ساکرانی ۔ (علم صوفیہ) اور قدیم مصری عمارتوں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ان مضامین پر ہم دونوں میں ہمیشہ بحث ہوتی رہتی ہے اور کوئی نہ کوئی تازہ مبحث نکل آتا ہے اور بروقت علیحدگی ہم دونوں سمجھتے ہیں کہ ہماری رائیں متفق نہیں ہوسکتیں گو ہم دونوں میں باہم یکساں ہمدردی ہے۔ ہم باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ بہت ہی تھوڑے مہمان باقی رہ گئے۔ مَیں اپنے کمرے (مسکن) کو قریب ½ ۱۱ بجے کے واپس ہُوا جو کینونڈش اسکوائر سے بہت دُور نہ تھا۔ اور کتاب دی پرائم منسٹر کے چند صفحہ دیکھکر مَیں نے آرام کیا۔

۱۴۔ جنوری | مَیں کلب کو واپس گیا۔ اور مَیں نے اپنے اُستاد کو جو کیمبرج میں تھے لکھا کہ مَیں اُن سے کل ملنا چاہتا ہوں۔ دفعتاً میرا ارادہ پھر کیمبرج جانے کا ہُوا۔

۱۵۔ جنوری | کنگس کراس سے ½۱۰ بجے روانہ ہوکر ½ ۱۲ بجے کیمبرج پہنچا اور مسٹر کارٹ مِل سے ملاقات ہُوئی۔ مختلف امور پر اُن سے باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹر پِل جو محبتہ جانی کہے جاتے ہیں۔ کیمبرج میں نہ تھے۔ مسٹر کارٹ مِل نے مجھے ان کا لندن کا پتہ دیا اس لئے میں ½ ۴ بجے کی گاڑی میں واپس ہُوا اور ان سے مڈلینڈ ہوٹل میں ملا۔

۱۶۔ جنوری | آج مَیں نے ہندوستان کو خطوط لکھے جن میں مختصر طور پر امتحانِ بیرسٹری

کے نتیجہ کا ذکر درج کیا۔ لیکن کیمبرج واپس جانے کے ارادہ کا کچھ ان میں ذکر نہیں لکھا۔
میں نے لنکلن اِن میں کھانا کھایا اور بار ٹیبل پر دوبارہ پیش کیا گیا۔
ہمارے اِن کا یہ ایک خاص طریقہ ہے۔ ایک مرتبہ میں اپنے تیسرے اور چوتھے ٹرم میں پیش کیا گیا تھا اور اب اپنے بارھویں ٹرم میں پیش کیا گیا۔
میں مسٹر برڈ سے ملا۔ جو صرف اسی ٹرم میں ان میں شریک ہوئے ہیں۔
میں اپنے مقام سکونت پر واپس گیا اور اینٹونی ٹرالوپ کی کتاب پرائم منسٹر کو ختم کرنے کی غرض سے ایک بجے کے بعد تک جاگتا رہا۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے بہت تفریح ہوتی ہے لیکن غیر معمولی طور پر یہ کتاب عمدہ نہیں ہے اور تمام کتاب بلحاظ اپنی عمدگی کے یکساں ہے۔

۱۷ - جنوری | کیمبرج کی روانگی سے پہلے میں مسٹر روگبی کے پاس رخصت ہونے کے لئے گیا۔ اس کے بعد ماس صاحب کے خاندان کے لوگوں کے پاس گیا۔ مسز راس کا مزاج اچھا نہ تھا۔ مس راس سے ملاقات ہوئی اس کے بعد کلب کو واپس گیا۔ اور لیونل ٹینی سن سے کلب کے باہر ہی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کے نام ایک چھٹی پورٹر کو دیکر آیا ہوں جس میں میں نے آپ کو کل ۱۰ بجے شب کو پارٹی میں (دعوت میں) بلایا ہے لنکلن اِن میں پھر کھانا کھایا اور جے کارٹ رل سے ملا جنہوں نے مجھ سے رخصت نہ ہونے کے متعلق بہت سے عذرات کئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں ٹرم کے واسطے کیمبرج آیا ہوں۔

۱۸ - جنوری | آج تیسرے پہر کو میں مس سپنگ سے ملنے گیا۔ اور دس بجے شب کو مسٹر ٹینی سن کے مکان پر گیا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ امریکن جنرل گرانٹ کی بیٹی بھی وہاں تھیں جن سے مجھ سے پہلی کھانے کی دعوت میں ملاقات

ہوئی تھی۔ پروفیسر سیلی بھی معہ مسٹر و مسز بارنٹ کے وہاں تھے۔ مسز پاتھرو۔ اور مس بوچر س بیٹیاں اور بہت سے قابل اشخاص وہاں موجود تھے۔ مسز ایل ٹینی سن جو عمدہ میزبان تھیں خود بھی بہت قابل ہیں۔ کئی مردوں اور عورتوں نے گایا بجایا۔ سب سے عمدہ پیانو بجانے والی مس وائٹ تھیں۔

مَیں نے طے کر لیا ہے اور اپنے اُستاد سے آئندہ چارشنبہ کو کیمبرج جانیکی اجازت مانگی ہے۔

۱۹۔جنوری | راس صاحب کے یہاں میں نے دعوت کا کھانا کھایا۔ وہ لوگ حسب دستور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ مسز راس کا مزاج زکام اور کھانسی سے کسی قدر ناساز تھا۔ کھانے میں اور کئی آدمی شریک تھے۔ مسز ڈڈنی جن سے مَیں کئی مرتبہ سابق میں مل چکا تھا اُسی مکان میں قیام پذیر تھیں اُن کی دو بھتیجاں مع اپنے بھائی کے کھانے میں شریک تھیں۔ کرنل راس کے فرزند ماسٹر سانڈی بھی دعوت میں آئے تھے۔ مَیں نے جو انکو پچھلی مرتبہ دیکھا تھا اُسوقت سے وُہ بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ کھانے کے بعد مس راس نے گانا گایا ان کی آواز بہت اچھی ہے۔ ۲½ بجے میں برخاست کرکے کلب گیا اور شب کو ڈنر کھایا۔ پھر واپس ہُوا۔

۲۰۔جنوری | دس پونڈ یعنی اشرفیوں میں ایک پورٹ منیٹو مَیں نے خرید کیا جو فرمائش پر بنایا گیا تھا۔ مجھ سے غریب آدمی کے لئے یہ بہت زیادہ ہے لیکن اچھا وقت بھی آنے والا ہے۔ لنکلن ان میں جہاں میں کھانے کو بیس منٹ قبل پہنچ گیا تھا۔ کھانا کھایا اور خوش قسمتی سے لٹن اوریشین سُننے کا موقع ملا جو ایک طالب علم نے حاضرین کو سُنایا۔

اگرچہ میرے والد مجھے جلد ہندوستان واپس بُلانا چاہتے ہیں۔ اور مجھے

بیرسٹری کا صرف ایک ہی مضمون میں امتحان پاس کرنا باقی رہ گیا ہے۔ جو میں بآسانی پاس کر سکتا ہوں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ کیمبرج کی ڈگری کے بغیر واپس نہ ہوں اس لئے میں چپ چاپ لندن سے کیمبرج جاتا ہوں۔

۲۲ جنوری | کیمبرج پہنچ گیا۔ واں کے ساتھ صبح کا کھانا اور فاکس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ ٹرنٹی اسٹریٹ اور کنگز پریڈ میں تھوڑی دیر پھرنے کے بعد نمبر ۲۱ کنگز پریڈ پر نہایت عمدہ کمرے اول منزل پر سولہ اشرفی (پونڈز) فی ٹرم پر کرایہ لے لئے۔

رستہ میں بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی جن سے میں سال گذشتہ رخصت ہو گیا تھا۔ کیونکہ کیمبرج واپسی کا خیال اُس وقت نہیں تھا۔ سب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

۲۳ جنوری | آج میں نے ہندوستان کو خطوط لکھے۔ میں نے دفعتاً خبر دینا مناسب نہیں خیال کیا۔ اس لئے میں نے مختصر طور پر کیمبرج واپس جانے کے متعلق لکھا تاکہ وہ لوگ آنے والے نازک واقعہ کے واسطے تیار ہو جائیں۔ آیندہ جمعہ کو میں مفصل لکھونگا۔ کہ مجھ کو بلانے سے کیا کیا نقصانات ہونگے۔

میں کاکس صاحب اور وارا کر صاحب کے مکان پر گیا اور پروفیسر سیلی کے پاس اس خیال سے گیا کہ وہ ایک کونسٹیٹیوشنل کلاس قائم کیا کرتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے دن یا وقت کو تبدیل کر دیا۔ بہر حال مجھے دریافت کرنا چاہئے۔

میں یونین میں گیا اور کئی اخبارات وتار پڑھے۔ جن میں یہ تعجب خیز خبر تھی کہ لندن میں تین ڈائنامیٹ پھوٹ گئے۔ شام کو مباحثہ کالج یعنی کالج ڈبیٹ میں شریک ہوا۔ کام کے بعد عہدہ داروں کا انتخاب کیا گیا۔

اے ای شیلی سے ملاقات کی جن کا مزاج کسی قدر ناساز ہے۔

۲۵- جنوری | آج پلیٹوز ریپبلک کو میں نے پڑھا جس کا انگریزی ترجمہ ڈیوس اور وان نے کیا ہے۔

کسوارا کر مجھ سے ملنے آتے اور قریب ۴ ساعت ۱۵ دقیقہ کے میں سر رولنڈ ولیڈی سے ملنے کو گیا اور چائے نوشی تک وہاں ٹھہرا۔ مسس ہگس آف نیونہم (جنکو میں مس آؤمس جانتا تھا اور جو فطرتاً سائنٹسٹ (علوم طبیعات دان) ہیں اور ایک اور شخص اُسی مدرسہ کے وہاں موجود تھے۔ اور بعد چاء نوشی کے کچھ تجربے ہم نے کئے جن میں سے دو میں کامیابی ہوئی۔ لیکن وُہ آسانی سے بیان کئے جا سکتے ہیں۔ میں اپنا ڈنر ہال کا وقت بھول گیا اور اس وجہ سے مجھے کھانے کے لئے برووٹ کے ہوٹل جانا پڑا۔ اس کا خرچ کسی قدر زیادہ یعنے ۸ شلنگ ہے۔

۲۵- جنوری | ۸ ساعت ۱۵ دقیقہ پر میں عنایت اللہ کے مکان پر مجلس میں گیا اور تقریباً ۱۰ ساعت ۴۵ دقیقہ تک وہاں رہا۔ اس کے بعد اپنے مکان واپس آیا۔

ایک جدید ممبر موٹا بھائی منتخب کئے گئے جو بلحاظ قومیت کے پارسی ہیں اور فی الحال کوئنس کالج کے ممبر ہیں وہ کاؤنٹیس سے جہاں وُہ گذشتہ ٹرم میں داخل ہوئے تھے چلے آئے ہیں۔

۲۶- جنوری | آج میں سر رولینڈ ولسن کا لکچر سننے کے لئے گیا جو قانون فوجداری ہند کے متعلق تھا اور جس کا وقت ۹ سے ۱۱ بجے تک تھا۔ بعد ازاں واسطی لائبریری کو گیا اور گوڈیوس ولڈ پراپرٹی کے کچھ اجزاء دیکھے۔ ولیم کی جو کتاب اسی مضمون پر ہے اس سے یہ بہت عمدہ ہے۔ سہ پہر کو مسز پروتھرو کے مکان پر گیا۔ خوش قسمتی سے وُہ مکان پر ملیں اور ان سے چائے نوشی کے وقت تک خوب باتیں ہوتی رہیں

۲۷ جنوری | آج شام کو یونین میں کریمیشن پر مباحثہ ہوا جو کریمیشن کے موافق تھا۔ لیکن تقریریں بہت عمدہ نہیں کی گئیں۔

۲۸۔ جنوری | آج میں سر آر۔ کے ولسن کا لکچر سننے گیا۔ بعد ازاں کتب خانہ کو گیا۔ گوڈیو کو پڑھا اور قانون فوجداری ہند پر بہت اچھی اچھی کتابیں دیکھنے میں آئیں جنکو وقتاً فوقتاً میں دیکھا کرونگا۔

پروفیسر سیلی صاحب کا لکچر سننے کو گیا جو انگلینڈس فارین پالیسی ان دی ایٹینتھ سنچری پر لکچر بہت اچھا تھا۔ وہاں سے گارڈنر صاحب کا لکچر سننے گیا جو یونانیوں کی خانگی زندگی پر تھا۔ لکچر بہت اچھا تھا۔ لیکن لکچرار صاحب بہت افسردہ معلوم ہوتے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مذاق کا لطف خود نہیں اٹھا سکتے۔

۲۹۔ جنوری | آج شام کو میں سر آر۔ کے۔ ولسن کے مکان پر کوٹن کا ایک مضمون سننے کے لئے گیا۔ یہ میرے اس زمانے کے ملاقاتی ہیں۔ جبکہ ہم رن اور گرنی کے ہاں بھرتی تھے۔ وہ کاغذ انڈین سول سروس ڈیبیٹنگ کلب کے ہفتہ وار جلسہ میں پڑھا گیا تھا جس میں مجھے سر آر ولسن نے ازراہ مہربانی بلایا تھا۔ اس پرچہ کا مضمون "وارن ہیسٹنگ کا جرم" تھا۔ اس پرچے کے پڑھنے والے اور درحقیقت تمام سول سروس کے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہیسٹنگ کا رویہ درست تھا۔ سر رولینڈ نے ایک عمدہ اسپیچ دی جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ہیسٹنگ کا رویہ قابل ملامت تھا۔ مجھے اس کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سر رولینڈ کی تقریر کا کچھ اچھا اثر ان لوگوں پر ہوا ہوگا۔ میں ۱۲ بجے واپس آیا۔

۳۰۔ جنوری | وطن کو خطوط روانہ کئے اور اب کے مرتبہ اپنے منشا سے جو کیمبرج

میں ڈگری حاصل کرنے کا تھا۔ اطلاع دی۔

سہ پہر کو پروفیسر سیلی کے کنودسیشنل کلاس کو میں گیا۔ گذشتہ سال میں بھی کئی درجوں میں شریک ہوا تھا۔ چند مضامین لکھنے کا قصد ہے۔ میری مضمون نگاری کے لئے یہ اچھی چیز ہوگی۔

۳۱۔ جنوری | آج صبح کو ای۔ ایس اولیور میرے یہاں اس وقت آئے جبکہ میں ناشتہ کرنے کو بیٹھا تھا اور مجھ سے کہا کہ گذشتہ شب کو مورل سائنس کلب نے مجھے سیکرٹری مقرر کیا ہے۔ مجھے یہ سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ جب مجھ سے دریافت کیا گیا تھا تو میں نے کہ دیا تھا کہ میرے پاس کام اس قدر زیادہ ہے کہ میں سکرٹری کی خدمت نہیں انجام دیسکتا۔ لیکن اب چونکہ مجھے منتخب ہونے کی عزت حاصل ہو چکی ہے۔ اس لئے حتی الامکان کلب کی خدمت کرنی چاہیئے مجھے جلسہ کی کارروائی کی کتاب و صندوق ملگیا ہے۔

شام کو ۹ بجے اولیور کے ساتھ کافی پینے گیا اور وہ ویں وکین، براین، اسٹوارٹ وغیرہم سے ملا۔

رباعی

اے رعب خدا کے واسطے چھوڑ گناہ　　کمبخت نہ کر نامۂ اعمال سیاہ
اللہ کا بندہ اور شیطاں کا مطیع　　لَاحَولَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

رعب شاہ آبادی

تنہائی

تنہائی! تیرے احسانات دُنیا اور اہلِ دُنیا پر بیشمار ہیں۔ تو ہی نے منطق۔ فلسفہ اور علوم سائنس کو ترقی دی۔ تیری ہی صحبت میں شاعروں نے شاعری سیکھی۔ تیرے ہی گوشہ میں بیٹھکر اُنہوں نے خامہ فرسائی کی اور زورِ قلم کی داد دی۔ تیرے ہی کان سے انہوں نے دُرہائے مضامین عوام کی پسندیدگی کے لئے منتخب کئے۔ تو ہی نے انگریزی میں شیکسپیر۔ ملٹن۔ ٹینیسن۔ فارسی میں فردوسی۔ سعدی۔ حافظ۔ اُردو میں انیس۔ دبیر۔ غالب ایسے شعرائے نامدار کو پیدا کیا۔ جن میں سے ہر ایک کا نہ مٹنے والا نام تاقیامت قدرشناسوں کی نظر میں آفتاب کی طرح روشن رہیگا۔ یہ تیری ہی تعلیم کا کرشمہ ہے کہ نیچر پرستوں نے ایک ایک پتی ایک ایک درخت سے ہزاروں پند سیکھے۔ چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار

ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب کبھی کسی کو کوئی بہت ہی مشکل مقدمہ حل کرنا ہوتا ہے تو وہ تجھی سے مشورہ لینے آتا ہے۔ ہر جگہ سے مایوس ہو کر وہ تیرے ہی دروازہ پر سر رگڑتا ہے اور آخر الامر صرف تیری ہی مدد سے اپنے مقصد کو پہنچتا ہے۔ کوئی زمانہ کا ستایا۔ مصیبت کا مارا عاشق ناکام و نامراد جب حد سے زیادہ بیچین و مضطر ہو جاتا ہے اور ناصح کے پند و نصیحت۔ اغیار کے طعنوں ہم نشینوں کی چھیڑ چھاڑ سے دق ہو جاتا ہے تو تیرے گوشہ میں آکر پناہ

لیتا ہے۔ اور تیری ہی صحبت میں اُسے کچھ تسکین حاصل ہوتی ہے۔ تو ہی اس کے حالِ زار پر مہربان ہو کر تصویرِ جاناں اس کے خیال کے سامنے کھینچ دیتی ہے جس کے نظارہ سے اُس کے دل کو کچھ چین آ جاتا ہے۔ تیری ہی نوازش سے عالمِ خیال میں وُہ اپنے محبوب اور آرامِ جاں سے دو چار باتیں کر کے اپنے دلِ ناشاد کو خوش کر لیا کرتا ہے اور جب کبھی نہایت ہی بیتاب و بیقرار ہو جاتا ہے۔ تو تیرے ہی پردہ میں عوام کی نظروں سے پوشیدہ اپنی بدقسمتی پر چار آنسو بہا کر دل کی کچھ بھڑاس نکال لیتا ہے۔

شہر اور آبادی کی زندگی کا کوئی لمحہ خطرے سے خالی نہیں لیکن تنہائی! تیری صحبت کی زندگی ہر قسم کے خطرات و تفکرات سے مبرا ہے۔ نہ چور کا ڈر نہ ڈاکو کا خوف۔ بھلا درویش کے پاس دھرا ہی کیا ہے۔ جو کوئی لیگا۔ اپنی جان۔ اُس کے آنے جانے کا غم ہی نہیں۔ کیا خوب مصرع ہے ؎

ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را

وُہ تارک الدنیا درویش جنکی طبیعت دُنیائے فانی اور اس کی عیاریوں سے ہٹ جاتی ہے اور جو اس کے چند روزہ عیش و عشرت سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں آرام پاتے ہیں اور تجھی میں ابدی راحت محسوس کرتے ہیں۔ تیری ہی پاک صحبت میں اُن کا آئینۂ دل ہر قسم کی کدورت سے صاف ہو جاتا ہے۔ جس میں وُہ جلوہ حقیقی دیکھتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں اور تیری ہی نصیحتوں سے متاثر ہو کر کوئی گنہگار اپنے گناہوں سے تائب اور اپنے جرائم پر پشیمان ہوتا ہے۔

تیری ساری خوبیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ تجھ میں پند و نصائح کُوٹ کُوٹ کر قدرت نے بھر دیئے ہیں۔ اگرچہ تو خاموش ہے

لیکن تیری خموشی میں اخلاقی تقریریں بھری ہیں۔ تو بے زبان ہے لیکن زبانِ حال سے عجیب
غریب داستانیں بیان کرتی ہو۔ جنہیں صرف روشنضمیر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تجھ میں
عجیب عجیب راگ ہیں جو عوام کو سنائی نہیں دیتے ۔ تیرے دلکش نغماتوں کو وہی
سُن سکتا ہے جو گوشِ حقیقت نیوش رکھتا ہو تیری خوبیوں اور دلفریبیوں کا وہی نظارہ
کرسکتا ہے جو چشمِ بصیرت رکھتا ہو۔ تیرے مخفی رازوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو
حقیقت نما ہے۔ تجھ میں جس نے جو تلاش کیا پایا۔ تو درویشوں کے لئے آرام۔
گنہگاروں کے لئے راہِ نجات۔ شاعروں کے لئے بحرِ معنی اور عاشقانِ
نامراد کے لئے تسلی ہے +

عبدالحی خاں ٹپنہ کالجیٹ اسکول

آئینہ شوق ۔ منشی جگناتھ پرشاد صاحب شوق نگم دہلوی زبانِ اردو کے ان قدردانوں
میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خونِ دل اور ہوائے دماغ سے اس زبان کی کھیتی کو سینچا اور لہلہایا ہے حال میں
آپنے اپنے نتائج افکار منظومہ کا مجموعہ "آئینہ شوق" کے نام سے اردو دان پبلک میں پیش کیا ہے۔ اور اسکی
ایک کاپی ہم کو ریویو کیلئے ارسال فرمائی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس دیوان میں ایک فطرتی شاعر کے دلنشین
کلام کا بہت ہی پیارا مجموعہ موجود ہے۔ اور مذاقِ سخن رکھنے والے اصحاب اس سے چاشنی گیر ہو سکتے ہیں۔
زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ مصنف چھپوانے والے ۔ چھاپنے والے ۔ اور چھاپنے کی تحریک کرنیوالے یہ تمام
اصحاب ہمارے ہندو بھائی ہیں جنکو آج بہت زیادہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی ترقی
دینے کا خیال ہے۔ اور وہ اس بارہ میں مسلمانوں کے مخالف تصور کئے جاتے ہیں لیکن ہم نے اور بہت منصف
مزاج مسلمان اہلِ قلم نے بہت مرتبہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوؤں میں ابھی اکثر بلکہ بیشتر اصحاب
زبانِ اردو کے سچے حامی اور ماہر بنے ہوئے ہیں۔ اور رہینگے۔ وہ اسکو خاص اپنی ملکی زبان جانتے
اور مانتے ہیں اور اسکی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ شوق دہلوی بھی انہیں بزرگوں میں سے ہیں۔ اور آپنے

آفتاب کے سیاہ دھبے

یورپ کے حکما داغہائے آفتاب کا راصد اول حکیم اندلس ابن رشد کو بتاتے ہیں۔ کہ اُس نے ۱۱۶۱ء میں آفتاب پر سیاہ داغ دیکھا۔ عجب اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں عربی کتابوں میں یہ ذکر نہیں دیکھنے میں آیا۔ شرح مواقف میں اتنا اشارہ ہے کہ قد زعم بعض الناس ان فی وجہ الشمس نقطۃ سوداء فوق مرکزہ بالقلیل ابن رشد وشارح مواقف کا زمانہ دُوربین کے ایجاد ہونے سے بہت پیشتر ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض داغ آفتاب کے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ بغیر دُوربین کے دکھائی دیتے ہیں شرح مواقف میں ایک قول یہ بھی دیکھنے میں آیا ومنہم من ادّعی انہٗ رای الزہرۃ وعطارد کشامتین علےٰ صفحۃ الشمس یعنی بعض متاخرین نے ادعا کیا ہے کہ اس نے زہرہ وعطارد کو آفتاب پر اس طرح سے دیکھا جیسے کسی رخسار پر دو تل ہوتے۔ مگر حسب تحقیق جدید یہ امر ممکن الوقوع نہیں کہ زہرہ وعطارد ایک ہی وقت میں آفتاب پر سے گذریں۔ مسٹر چیمبرس نے کتاب الہیئۃ جلد اول میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ زہرہ کا مرور آفتاب پر جُون یا دسمبر کے سوا کسی دُوسرے مہینہ میں نہیں ہوتا۔ اور عطارد کا مرور نومبر اور مئی کے سوا کسی اور مہینہ میں نہیں واقع ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک وقت میں آفتاب پر سے مرور نہیں کر سکتے۔ اس شخص نے بھی آفتاب کے داغ کو دیکھا تھا جس کو زہرہ یا عطارد سمجھا۔ عطارد بہت کم دکھائی دیتا ہے اور اکثر آفتاب کے قریب ہی رہتا ہے۔ لوگ اس کے مشتاق

رہتے ہیں - اِس سبب سے مسٹر چیمبرس کی کتاب سے اُنیسویں صدی میں جس ترتیب سے عطارد نے آفتاب پر سے مرور کیا ہے میں یہاں اُس کی تفصیل نقل کئے دیتا ہوں - تا اُسی ترتیب سے اس بیسویں صدی کی زیچ بھی ہم بنا سکیں - اور عطارد کو آفتاب پر سے گذرتے ہوئے دیکھ سکیں۔

انیسویں صدی میں پہلی دفعہ	نومبر ۱۸۰۲	میں عطارد نے آفتاب پر سے مرور کیا	
اس کے تیرہ برس بعد	نومبر ۱۸۱۵	"	"
اس کے سات برس بعد	نومبر ۱۸۲۲	"	"
اس کے دس برس بعد	مئی ۱۸۳۲	"	"
اس کے تین برس بعد	نومبر ۱۸۳۵	"	"
اس کے دس برس بعد	مئی ۱۸۴۵	"	"

تینتالیس سال کا دَورہ ختم ہونے کے بعد پھر وُہی سلسلہ شروع ہوا - یعنی

اس کے تین برس کے بعد	نومبر ۱۸۴۸	میں مرور عطارد آفتاب پر سے ہوا	
اس کے تیرہ برس کے بعد	نومبر ۱۸۶۱	"	"
اس کے سات برس کے بعد	نومبر ۱۸۶۸	"	"
اس کے دس برس کے بعد	مئی ۱۸۷۸	"	"
اس کے تین برس کے بعد	نومبر ۱۸۸۱	"	"
اس کے دس برس کے بعد	مئی ۱۸۹۱	"	"

غرض ہر ۴۳ سال میں چھ دفعہ اسی ترتیب سے مرور ہوا کرتا ہے - یعنی نومبر نومبر نومبر مئی نومبر مئی اسی ترتیب کے بموجب انیسویں صدی کا آخری مرور -

اِس کے تین برس بعد نومبر ۱۸۹۴ میں ہوا اور

بیسویں صدی کا پہلا مرور۔

اس کے تیرہ برس بعد نومبر ۱۹۰۷ میں ہوا۔

اور اب اس کے سات برس بعد نومبر ۱۹۱۴ میں ہوگا۔

وَنِعْمَ جَزَآءً۔

غرض کہ زہرہ و آفتاب کے اجتماع کے مہینے عطارد و آفتاب کے اجتماع کے علاوہ ہیں۔ بعض متاخرین کا یہ قول کہ میں نے زہرہ و عطارد کو آفتاب پر سے ساتھ ہی گذرتے دیکھا ہے جیسا کہ شارح مواقف سید علامہ نقل فرماتے ہیں۔ کسی طرح ممکن الوقوع نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دو سیاہ تل رخسارۂ آفتاب پر جو اُسے دکھائی دیتے اُن میں سے ایک ستارہ تھا اور ایک داغ آفتاب کا تھا۔ اِس سبب سے کہ دونوں ستارے تو ہو نہیں سکتے۔ جس کی دلیل بیان ہوئی۔ دونوں داغ بھی نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے کہ ہیئتِ جدیدہ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی آدھ داغ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بغیر دوربین کے دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے دیکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شیشہ کے پرکالہ پر کاجل پار کر اس میں سے آفتاب کو دیکھیں۔ دوسری یہ کہ اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے شعاعِ آفتاب کی جو مدور ہو کر دیوار پر پڑے اس عکس میں بھی وہ دھبہ دکھائی دے سکتا ہے مگر اُلٹا دکھائی دیگا۔ یعنی اگر آفتاب کے مشرقی جِرم میں ہے تو مغربی حصہ میں نظر آئیگا جس کی وجہ علم مناظر کے جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

جب سے دوربین ایجاد ہوئی آفتاب میں متعدد داغ نظر آنے لگے کہ مشرقی کنارہ سے نکل کر مغربی کنارہ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یہ حرکت جب صعودی یا نزولی ہوتی ہے تو صاحب رصد کو بطی معلوم ہوتی ہے۔ جب ذروۂ آفتاب کے

قریب وہ داغ پہنچتا ہے تو اُس کی اصلی حرکت معلوم ہوتی ہے - جو بہ نسبت حرکت صعودی و نزولی کے سریع ہے - اور تقریباً تین دن میں ایک داغ شرقی کنارہ سے مغربی کنارہ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اتنے ہی زمانہ تک آفتاب کے دوسرے رُخ پر ہماری نظر سے غائب رہ کر مشرقی کنارہ سے دوبارہ نمودار ہوتا ہے -

اہل رصد کو پہلے یہ اشتباہ رہا کہ یہ داغ جرم آفتاب سے خارج کوئی جسم ہے جو اس کے گرد گردش کر رہا ہے - مگر جب کئی داغ ساتھ ہی دیکھے اور یہ دیکھا کہ اُن کی حرکت میں اور باہمی فاصلوں میں تناسب باقی رہتا ہے - تو یہ اشتباہ رفع ہو گیا - اور یہ امر ثابت ہوا کہ یہ سب داغ خود جرمِ آفتاب میں ہیں اور اس کی حرکت علی نفسہا کرنے کی دلیل بین ہیں - جس کا زمانہ ۲۵ ۱/۴ دن کا ہے - عجیب بات یہ ہے کہ یہ حرکت وضعی آفتاب کی جو داغوں کے مرصود کرنے سے ثابت ہوتی ہے - جس رُخ پر اور جس سطح پر پائی جاتی ہے تمام سیارات کی حرکت سالانہ تقریباً اسی رُخ پر اور اسی سطح میں نظر آتی ہے -

کانٹ جو مشاہیر اہل رصد میں سے ہے اُس نے اس سے قیاس کیا ہے کہ کسی زمانہ میں آفتاب و سیارات سب مل کر ایک جسم واحد تھے اور اُسی زمانہ سے مبدء میل مستدیر ان سیارات میں ایک ہی معین رُخ پر اور ایک ہی معین سطح میں حرکت کرنے کا موجود ہے -

آفتاب و سیارات کے ایک جسم متصل واحد ہونے کی تائید ایک جدید مسئلہ کے انکشاف سے بھی ہوئی - جسے وشنگٹن کے ایک حکیم مسٹر ہومرلین نے ۱۸۷۰ء میں مشتہر کیا - وہ مسئلہ یہ ہے کہ جتنے اجسام بشکل دخان پائے جاتے ہیں - جوں جوں اُن کی حرارت کم ہوتی جاتی ہے اُسی قدر جسامت بھی گھٹتی جاتی ہے - لیکن جسم کے سمٹ جانے سے حرارت پہلے سے بھی زیادہ

پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب جسمِ سیّال یا منجمد ہو جائے تو یہ خاصہ زائل ہو جاتا ہے۔

اِس مسئلہ کے امتحانات کے بعد یہ استدلال کیا گیا کہ آفتاب چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے اس کے جِرم میں تکاثف واقع ہوتا ہے۔ حرارت اس کی بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں اس کا جُرم بہت بڑا تھا۔ یہاں تک کہ نظامِ شمسی کی ساری فضا اِس سے بھری ہوئی تھی۔ اور آفتاب وسیّارات یہ سب مل کر بشکل نُطفۂ سحابیہ ایک جسمِ متصل واحد تھے۔

ان داغوں کی حرکت کا رُخ اکثر ہم کو بدلا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن داغوں کی حرکت میں دراصل یہ تغیر نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے دیکھنے کا رُخ بدلتا رہتا ہے۔ یعنی زمین اپنی گردش سالانہ میں کبھی آفتاب کے اس رُخ پر آجاتی ہے۔ کبھی اس رُخ پر۔

گو کسی زمانہ میں آفتاب پر متعدد داغ دکھائی دیتے ہیں۔ اور کبھی مہینوں ایک بھی نظر نہیں آتا۔ اس کی لِم دریافت کرنے میں اہلِ رصد کو ڈھائی سو برس سے زیادہ ہوئے۔ اکثر لوگوں نے داغوں کی روزانہ رصد لینے میں اپنی عمریں صرف کیں۔ اور ہنوز قابلِ وثوق کوئی ضابطہ نہ ہاتھ آیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ برس اکتالیس دن میں داغہائے آفتاب کا سلسلہ ختم ہو کر نئے سرے سے پھر شروع ہوتا ہے۔ اور یہی مدت قطب نما کی سوئی کے انحرافات کی ہے۔ یعنی نقطۂ قطب سے سوئی کا اِنحراف جہت مشرق ومغرب میں ایک خاص ترتیب سے ہوا کرتا ہے۔ اس کا سلسلہ بھی اتنے ہی زمانہ میں ختم ہو کر پھر نئے سرے سے شروع ہوتا ہے جس زمانہ میں آفتاب کے داغوں میں کمی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں سوئی میں انحرافات کم ہوتے ہیں لیکن ان دونوں میں کیا تعلق ہے۔ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

علی حیدر طباطبائی

کلامِ اکبر

ہم بکمال امتنان کے ساتھ اپنے مخدوم جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کا مندرجہ ذیل تازہ کلام چھاپتے ہیں - جو اُنہوں نے ایک تازہ عنایت نامہ کے ہمراہ ارسال فرمایا ہے :-

مشرقی کو ہے ذوقِ رُوحانی مغربی میں ہے مَیلِ جسمانی
کہا منصور نے خُدا ہُوں میں ڈارون بولا بُوزنہ ہُوں مَیں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

جہاں اُٹھی نظر نافذ ہوا قانون فطرت کا نظر نیچی رہے یہ وعظ اصلی ہے شریعت کا
فرشتے پوچھتے ہیں تو نے کیوں دیکھا اُدھر اکبر نہیں کہتے کہ کیوں عاشق ہوا اس بُت کی صورت کا
مَیں کہتا ہُوں انہیں نے غل مچا کر آنکھ اُٹھوائی مرا سودا نتیجہ ہے فقط ارشادِ حضرت کا

کیا کام ہمیں اوولیوشن سے نیچر سے ہمیں کیا حاصل ہے
بندر کی ترقی آساں ہے بینٹو کی ترقی مُشکل ہے

یہ اپنی سنز پوشی تیری اے شرقی غنیمت ہے دے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں کہ اکبر ذکر کرتے ہیں خدا کا اس زمانے میں
انوکھے ہیں مشاغل حضرت اکبر کے ان روزوں اکٹھے ترکیف بیٹھے پڑے ہیں فیلخانے میں

گذشتہ زمانے کی یاد

کوئی ایسا زمانہ تھا کہ ہمدم یار تھا اپنا ۔۔۔ کبھی ہم اس پہ مرتے تھے۔ کبھی وہ ہم پہ مرتا تھا
ہمیشہ بزم میں چلتا تھا دورِ ساغر و مینا ۔۔۔ نہ اب باقی ہے وہ صحبت نہ وہ جلسہ مسرت کا

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

بہارِ کامرانی کی ہوائیں تھیں وہاں ہر سو ۔۔۔ کیا کرتا تھا دلجوئی ہمیشہ وہ بُتِ دلجو
دلِ ناشاد تھا اپنا اسیرِ حلقۂ گیسو ۔۔۔ رہا کرتا تھا ہم سے رات دن افسوس ہر پہلو

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

چلے آتے تھے ہم محفل میں تیری۔ او بتِ خودسر ۔۔۔ نہ کھٹکا تھا کسی حاجب کا۔ اور نے پاسباں کا ڈر
رہا کرتے تھے یوں پہلو بہ پہلو تجھ سے مل جل کر ۔۔۔ کہ جسکو دیکھ کر تڑپا کیا کرتے تھے غیر اکثر

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

تجھے تیری چاہ میں ڈوبے ہوئے اے یوسفِ ثانی ۔۔۔ نہ غم اس کا تھا پلوائیگی تیغِ غم ہمیں پانی
یکایک بیٹھے بیٹھے مول لی ہم نے پریشانی ۔۔۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

سمجھتے تھے تجھے اپنا رفیق و مونس و ہمدم ۔۔۔ رخِ زیبا پہ تیرے جاں کو کرتے تھے فدا ہم ہم
جو ہوتی یہ خبر اک روز ٹوٹیگا سپہرِ غم ۔۔۔ تری راہ محبت میں قدم دھرتے نہ ہرگز ہم

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

سمجھ کر آئے تھے ہم باوفا۔ او بیوفا تجھ کو
مگر ہے ہے نہ کچھ بھی پاسِ اُلفت کا رہا تجھ کو
رقیبوں سے رہا کرتی تھی نفرت ہی سدا تجھ کو
خیال اُن کی محبت کا ہی اب حد سے سوا تجھ کو

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جُدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

چھُٹی صحبت وہ تیری دم میں یوں اے گلعذار آخر
کہ آئی بھی نہ تھی او ہو چکی فصلِ بہار آخر
ہماری خواہشِ دل کا نہ پھولا لالہ زار آخر
نہ تھا معلوم ہوگا ہائے کیا انجامِ کار آخر

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

نہ ہوتے ہم تجھے دیتے تھی نظروں سے جُدا دم بھر
رحیمِ شیفتہ کی تھی فدا جانِ حزیں تجھ پر
مگر اب سوزشِ فرقت نے کر رکھا ہے دل میں گھر
بنا ہے حلقۂ زنجیرِ پا نقدیر کا چکر

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جُدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

بتائیں کیا کہ وہ گل پہلے کیا تھا اور کیا نکلا
غضب کا سنگدل۔ بیمہر۔ ظالم پُردغا نکلا
سمجھتے تھے جسے ہم آشنا۔ ناآشنا نکلا
وفا کی جس سے ہم کو تھی توقع بیوفا نکلا

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جُدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

محمد عبدالرحیم رحیم (دلاور گنج) حیدرآباد دکن

کلامِ عزیز

دُنیا کی ایک مثال

(مقتبس از خیالاتِ سُقراط)

کیا ہے یہ دُنیائے دُوں؟ اِک آتشِ افروختہ — لے مدد حسبِ ضرورت اس سے اے دِل سوختہ

شعلۂ جانسوز روشن ہیں میانِ شاہراہ — غیر ممکن ہے کہ قُربت میں ملے تجھ کو پناہ

جانتا ہُوں میں کہ اس دُنیا سے تجھ کو لاگ ہے — ہوشیار اے جانیوالے یہ دہکتی آگ ہے

ہر شرارے میں ملیگی تجھ کو تاثیرِ فنا — اس کے ہر شعلے میں تو پائیگا تصویرِ فنا

اِس کی قُربت سے بڑھیگا رات دن تجھ پر عذاب — بعد وصلت تو بھی ہوگا شعلۂ پُر پیچ و تاب

نقش بر آب آہ اس دُنیا کے ہیں نقش و نگار — جلتی پھرتی چھاؤں ہے یہ ہستی بے اعتبار

گرمی بازار اس دُنیا کی بس کچھ روز ہے — دوزخ آشام اِس کا ہر اک شعلۂ جانسوز ہے

جل رہے ہیں جلنے والے زندگی بیکار ہے — عشق میں دُنیا کے دِل پر داغِ آشکار ہے

راستہ چلنے کو جتنی روشنی درکار ہے — فائدہ حاصل کر اُتنا ورنہ توفی النار ہے

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

جونپوری خربُزہ

سردے کابل کے کھاکے دیکھے — چتّلے بھی لکھنؤ کے چکھے

پر دونوں سے جونپور کے پھل — ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل

کھائیے اِک قاش تو ہوں لب بند — پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند
سبزے کی وُہ قاشوں میں نمائش — دیکھا کرو آنکھ کی یہ خواہش
قاشیں ہیں سفیدے کی وہ شفاف — کوزے مصری کے جس طرح صاف
بھینی بھینی وُہ میٹھی خوشبو — ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو
دولت کی چاٹ کہہ رہی ہے — لذّت کی زبان جوہری ہے
اِس کھیت کا ہے عجیب پانی — جذب اس میں ہے آبِ زندگانی
مرکز ہے بسیر پور[1] مشہور — ہے شہر سے یہ مقام کچھ دُور
اس کاشت کو یہ زمیں ہی اکسیر — کیا آب و ہوا کی ہے کہئے تاثیر
کھیت اَور بھی یُوں تو جابجا ہیں — شکل ایک مگر مزے جُدا ہیں
صُورت کو نہ دیکھئے پھلوں کی — سیرت کی ملاحظہ ہو خوبی
صُورت تو نہیں ہے خوبصورت — سیرت کی فقط ہے قدر قیمت
جو لطف و مزے ہیں کہئے کس سے — چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

کوچۂ یار

قطعہ

بڑے شوق سے بھیجتا ہُوں میں قاصد — رہیگی نظر راہ پر۔ دیکھ لینا
نہ تو خنجر سے پھر کے آئے گا جب تک — نہ ٹھہرے گا دِل تھے جگر دیکھ لینا

[1] نام موضع جہاں خرپزے کی زیادہ کاشت ہوتی ہے ۱۲

پتا کوئے قاتل کا بتلا دوں تجھ کو　　جو کہتا ہوں ہیں ڈھونڈھ کر دیکھ لینا
پڑے ہر جگہ پہ ہیں ٹکڑے جگر کے　　تڑپتے ہیں دل خاک پر دیکھ لینا
کہیں خاک اُڑاتے ہیں گیسو کے اُلجھے　　کسی کا ہے دم ہونٹوں پہ دیکھ لینا
کوئی ہوگا ایڑی رگڑتا زمیں پر　　کسی کا عدم کو سفر دیکھ لینا
کہیں چاک دامن کئے ہیں ہزاروں　　کھڑے ہیں کہیں بخیہ گر دیکھ لینا
کوئی شام غم میں گرفتارِ اُلفت　　کسی لب پہ آہِ سحر دیکھ لینا
خراشوں سے سینہ گلستاں کسی کا　　کوئی گل ہے داغِ جگر۔ دیکھ لینا
ہلا دینگے دل تیرا نالے کسی کے　　کسی کی فغاں بے اثر۔ دیکھ لینا
کوئی ہوگا دھونی رمائے وہاں پر　　کسی کو کھڑے ننگے سر۔ دیکھ لینا
نہ کھانے کی سُدھ بدھ۔ نہ پانی کی پروا　　غذا سب کی خونِ جگر۔ دیکھ لینا
کہیں ہڈیاں طائرِ نامہ بر کی　　کسی جا کبوتر کے پر۔ دیکھ لینا
یہ ساماں گلی میں۔ وُہ کوٹھے پہ ہونگے　　پھری ہو گی سب سے نظر۔ دیکھ لینا
لحد ایک حسرت بھری عین در پر　　لکھا شعر یہ لوح پر۔ دیکھ لینا

تجھے اپنی آنکھوں کی سوگند قاتل
مری قبر روز اِک نظر دیکھ لینا

صفیر بلگرامی

رُباعی

اب ذکرِ شباب ہے کہانی۔ افسوس　　آگے قدر اس کی کچھ نہ جانی۔ افسوس
لو اُنقش قدم تک نہیں ملتے ہیں صفیر　　کن پاؤں چلی گئی جوانی افسوس

چولی دامن

یعنی

(ہندو مسلمان)

چولی نے کہا کہ سُن اَے دامن
میری منزل ہے تجھ سے بالا
چھاتی سے لگی ہوُں مَیں رسیلی
مجھ پر ٹکتے ہیں بیل بوٹے
سینے پہ کسی کے تو چڑھ آئے
تیری آنے دامن اصل کیا ہے
تو میرے سہارے پر کھڑا ہے
ہے میرا دماغ آسماں پر
پستی کی طرف ہے راہ تیری
اترا نہ تو سر اُٹھا اُٹھا کر
پتھر کے تلے اگر تو دب جائے
تو کام چلائے مانگے تانگے
مجھ پر تلتے ہیں عطر سارے
سمجھا میرا وقار۔ جانا!

تو مَن ہے اگر تو مَیں سوا مَن!
زینہ نہیں بام ہونے والا
چھاتی پہ چڑھی ہوں آدمی کی
تو کانٹوں میں جا کے اکثر الجھے
ایسی چھاتی کہاں سے لائے؟
تو بھیک کا ایک ٹھیکرا ہے
پھر بھی تو ہوا میں اُڑ رہا ہے؟
ہے سمتِ زمیں جھکا ترا سر
نیچی۔ دیکھی۔ نگاہ تیری
اے سرافگن۔ حسد اخدا کر
تیرا فخر و غرور سب جائے
تجھ کو پھیلا کے بھیک مانگے
پھرتے ہیں گدا سنبھلے پیارے
اب آگے مرے نہ سر اٹھانا!

سلہ کرشنا۔ سعہ بھیک کا ٹھیکرا" یہاں صرف کاسہ گدائی سے مراد ہے ۱۲

چولی کی سن کے بولی ٹھولی | دامن نے کہا کہ سن لے چولی!
مجھ سے نیچی ہو تو کہ اونچی | ہے میرے بغیر ننگی بوچی!
دامن ہی اگر نہ ہو۔ اسے سنڈی[۱] | بن جائیگی انگرکھے سے بنڈی[۲]
ہاں۔ چولی نہ ہو تو کیا ہے دامن | جب من ہی نہیں تو کیا سوا من
زینہ نہ اگر کوئی بنا لے | تو بام پہ کس طرح سے جائے!
برچھی ہے جو تو۔ تو میں انی ہوں | تو چاند تو میں بھی چاندنی ہوں
تو دھوپ اگر۔ تو میں ہوں سایہ | تو گھر ہے اگر تو میں ہوں پایہ!
ہم دونوں۔ بدن کے کارکن ہیں | دونوں ہیں رفاہیت کے گن ہیں
جو ایک توے کی ہو گی روٹی | کیسی چھوٹی وہ۔ کیسی موٹی؟
جس شخص نے سر زمیں پہ ڈالا | ہے عرش تک اس کا بول بالا
اپنی خوبی سنائی تو نے | اب میری بھلائیاں بھی سن لے
غنچہ کھلتا ہے زیرِ دامن | سایہ پلتا ہے زیرِ دامن
جس کو جانا ہے جس نے مامن[۳] | چھوڑا نہیں اس نے اس کا دامن
مجھ سے ہے وقار عصمتِ زن[۴] | ہوتی ہے عفیفہ "پاک دامن"!
کہتے ہیں بیٹی دے کے مردم | "دامن تلے ڈھانک[۵] لو ہمیں تم"
غش کھائے ہوئے کو میں دوا دوں | پنکھا بن جاؤں اور ہوا دوں
دیتا ہوں نجات میں بلا سے | حافظ ہوں چراغ کا ہوا سے
معشوق پہ چلتے اٹھا کے داماں | عشاق کے چاک ہوں گریباں
ہم تم ہوں ترقیوں سے توام | مل جل کے رہیں جو دونوں باہم

---

۱ منہ زور ۲ نیمہ ۳ جائے پناہ ۴ عورت ۵ بیٹی والوں کا مقولہ ہے۔

اِس نظم کا ہے مآل کیا خُوب | طالب نے یہ دی مثال۔ کیا خوب
ہیں ہند میں ہندو اور مسلماں | چولی - دامن - ہیں دونوں ہر آن
دونوں مصباح[1] ہند کے ہیں | دونوں یہ چراغ ہند کے ہیں

دونوں مل کر رہیں جو یکذات[2]
دن عید ہو شبرات ہو رات!

طالب بنارسی ایڈیٹر

مُلحِد اور صُوفی

ملحد تھا کل اک محفل احباب میں بیٹھا | باتوں میں جو کچھ آ گیا واں ذکر خدا کا
بولا کہ اجی رہنے بھی دیجیے یہ کہانی | بیفائدہ جھگڑا یہ دیا چھیڑ کہاں کا
ہے ذات سزاوار اطاعت بھی کوئی یاں | سچ پُوچھئے تو وہم ہے انسان کا خاصا
چھٹتے ہی لگا کرنے یہ اوہام پرستی | پیپل کبھی پوجا کبھی برگد کو سراہا
دریا کی پرستش کی کبھی کوہ کی تعظیم | طاعت میں بتوں کی کبھی گردن کو جھکایا
سُورج کو سمجھ مسکن ارواح بزرگاں | برسوں یہ سر عجز سے رگڑا کیا ماتھا
آخر ہوئی معلوم اُسے اپنی حماقت | جب فطرت عالی نے کیا اپنا تقاضا
سمجھا کہ بہت بھول تھی اصنام پرستی | سر ایسوں کی طاعت میں جھکانا تھا نہ زیبا
تب وہم نے ایجاد کیا پیکر موہوم | ہستی کا پتہ جسکی نہ رہنے کا ٹھکانا
لاہوت میں گاہے اُسے قائم کیا بالذات | پیدائش دُنیا میں ہے گہے محو دکھایا
دکھلایا گہے عرش پہ مصروف کتابت | گہ عالم بالا سے سر طور اُتارا

[1] چراغ [2] بفتح جیم - بازو [3] یعنی یکدل -

اب آپ ہی کہہ دیں نہیں کیا مضحکہ انگیز — یہ حضرت انسان کا خود ساختہ قصا
ہستی ہی نہیں جب کوئی احساس کے قابل — چہ جائیکہ مثبت اسے معبود کا رتبہ
باتیں ابھی کہنے کو تو باقی ہیں بہت سی — ہے مجھ کو مگر تو نظر پاس احیا
اتنے ہی پہ کرتا ہوں کفایت کہ ترا نہا — کرنا کبھی اس طرح کے ایمان کا دعویٰ

تقریر تو آخر ہوئی ملحد کی بے ہا پر — سناٹا سا پہروں در و دیوار پہ چھایا
محفل میں تھے بیٹھے ہوئے اک حضرت صوفی — چہرے سے تھے آثار ریاضت کے ہویدا
ملحد کو کیا آپ نے نرمی سے مخاطب — اک شان فقیری سے لگے کہنے کہ بابا
ہم مانتے ہیں آپ کے یہ سلسلے دعاوی — کیا وجہ کہ خود ہم نے بھی یہ بھید نہ پایا
پر مجھ کو ذرا مشفق من اتنا بتانا — کچھ درک نہانی میں بھی ہے آپکو ملکہ
ملحد نے تبسم سے کہا واہ کہی خوب — حضرت کبھی ان باتوں میں یاروں کی مدارا
ہے غیر حواس خمسہ اور کوئی حس! — دانا اسے ہرگز کوئی باور نہ کریگا
صوفی نے کہا منکر خورشید ہو گر بوم — کیا قابل تسلیم ہے پھر بوم کا دعویٰ
اچھا نہ سہی یہ پہ ہے اتنا تو مسلم — کامل نہیں ادراک حواس خمسہ کا
ایسی بھی تو اشیا ہیں کہ ہیں اصل میں موجود — پر ظاہری حسوں سے نہ احساس ہوا انکا
ہیں دور فلک میں بہت اس طرح کی اجرام — کچھ جنکا پتہ آپ کی ہیئت نے نہ پایا
کیا اس سے یہ لازم ہے کہ محسوس ہو جو شے — ہم اس پہ سرے سے کریں اطلاق نفی کا
سچ بات تو یہ ہی کہ خدا گر نہ بھی ہوتا — مشکل تھا بہت اس کی نفی آپ سے کرنا
حالانکہ خلاف اس کے یہ جلوہ گہ قدرت — ہے صاف گواہ صفت ہستی اعلیٰ
اتنا تو بدیہی ہے کہ حرکت میں ہو جو چیز — لازم ہے کہ حرکت بھی اسے ہو کوئی دیتا
تو آنکھ اٹھا دیکھ ذرا منکر خلاق — کس طرح سے گردش میں ہے ہر ذرۂ دنیا

حرکت میں ستارے ہیں پہاڑوں کو ہے لرزش | اشجار کو جنبش ہے بہا جاتا ہے دریا
اٹھکھیلیوں میں بادِ نسیمِ سحری ہے | ہے ابر سرِ دوشِ ہوا کھیلتا اچھلتا
کیا دیکھ کے یہ سب تجھے ہوتی نہیں حسرت | کیا اس سے کبھی دل میں ترے یہ نہیں آتا
حرکت کے لئے جان کا ہونا ہے ضروری | بیجان کوئی جسم نہیں آپ سے ہلتا
دکھلائی نہیں دیتی اگر جان بظاہر | تو جسم کی حرکت سے سمجھ جان کا ہونا
ملحد نے کہا یہ تو ہے سب درست پہ قبلہ | اس سے تو ہوا کچھ بھی نہ اثبات خدا کا
اجسام کی حرکت تو ہے قوت کے سبب سے | گر آپ نے حرکت سے پتہ جان کا پایا
اس سے ہوا قوت ہی کا اثبات نہ کچھ اور | ہے یوں بھی یہاں مادہ قوت کے سوا کیا؟
جب تک کہ نہ ثابت ہو کوئی تیسری ہستی | کس طرح بھلا مان لیں ہم آپ کا کہنا!
صوفی نے کہا خیر بھلا یہ تو بتاؤ | کس طرح یہ سمجھیں کہ فلاں شخص ہے دانا؟
ملحد نے کہا یہ تو بہت دور کی رہ ہے | اے حضرتِ من اس میں ہے مشکل ہی بھلا کیا؟
جس شخص کی حرکات پسندیدہ نظر آئیں | بس سمجھو کہ رکھتا ہے وہ کچھ عقل سے حصہ
صوفی نے کہا ہائے صد افسوس کہ تم نے | با اینہمہ نقشِ قدمِ یار نہ پایا
گر عقل کا حرکاتِ پسندیدہ ہیں معیار | پھر تیسری ہستی کا یہ انکار ہے کیسا؟
کیا حرکتِ اجسام میں ترتیب نہیں ہے؟ | کیا عالمِ اسباب ہے بے واسطہ چلتا؟
کیا دہر یہ موجود ہے خود ذات سے اپنی؟ | کیا عقل نہیں مادہ و قوت کے علاوہ؟
تو دیکھ ذرا غور سے اے مدعیِ دہر | گر عقل نہ ہو جائے بگڑ دہر کا نقشا
اک بال برابر جو نظام اس کا بدل جائے | دم بھر میں ہو سب مادہ و قوت تہ و بالا
اور ظاہری حواس کی گر پوچھتے ہو تو | مفقود ہے عالم کی اسی طرح سے برپا
جتنی کوئی شے اشرف و اعلیٰ ہے جہاں میں | اتنی ہی وہ احساسِ بدیہی سے ہے بالا
جس طرح ہے روغن کی نہاں دوغ میں ہستی | یا جیسے کہ چقماق میں آتش کا شرارا

اصلی نہیں جو کچھ نظر آتا ہے بدیہی
معلول یہ سب ڈھونڈیں ہیں علت کا سہارا

اور یہ تو مسلّم ہے کہ کم پایہ بہ پایہ
معلول سے علت میں ہو اگر تا ہی مادہ

پس آخر کار ایسی اک علت ہی ضروری
بیچون و چگوں اور ہیولاے سے مبرّا

یہ علتِ اول ہی ہے وہ پیکرِ موہوم
کہتے ہیں جسے لوگ خداوند تعالےٰ

اب خواہ اسے تم طور کی چوٹی پہ بٹھاؤ
یا سمجھو کہ ہے تخت گہ عرش پہ بیٹھا

پر اس کے لئے پہنِ زمیں وسعت افلاک
ایسے ہی ہے جیسے کہ تمہیں ریگ کا ذرہ

نواب الدین نیاز کبوی

ساقی نامہ

تکمیل مسلم یونیورسٹی کا جلسہ جو ۱۲- مئی سنہ ۱۹۱۱ء کو گیا۔ گورنمنٹ اسکول ہال میں ہوا جس میں پٹنہ سے جناب آنریبل مولوی مظہر الحق صاحب و آنریبل نواب سرفراز حسین خانصاحب و مسٹر سید حسن امام صاحب مولانا سید شاہ محمد سلیمان صاحب قبلہ وغیرہم کا ایک ڈیپوٹیشن شرکت جلسہ کے لئے آیا تھا اس میں یہ ساقی نامہ پڑھا گیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ناظرینِ مخزن کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

رباعی

قومی جلسوں میں خوش بیانی کب تک
لکچر اسپیچ و نوحہ خوانی کب تک

کرنا ہو تو کچھ جمع کرو چندہ بھی
ورنہ یہ جمع خرچ زبانی کب تک

ساقی نامہ

ہاں وُہ ساغر دے ابھی ساقیِ مے نوش مجھے — حبِّ قومی کے سوا سب ہو فراموش مجھے
قوم پہ اپنے فدا کر دے میرا جوش مجھے — اور آجائے عوضِ نشہ کے اک ہوش مجھے

مے پرستوں کا دل اے ساقیِ گلفام ٹوٹا
دیکھ وُہ آئی گھٹا اس طرف ایک جام بڑھا

یاد ہے تجھ کو ہمارا وُہ زمانہ ساقی — خم کا خم غیروں کی خاطر وہ لنڈھانا ساقی
عبرت انگیز ہے اب میرا فسانہ ساقی — پھر میں ہو جاؤں ہی مے وہ پلانا ساقی

ہے دُعا ساقی ہمیشہ تیرا دل شاد رہے
تیرا میخانہ علیگڈھ کا وُہ آباد رہے

مے وہ دے جس سے کہ پیدا ہو حمیت دل میں — اور آجائے عوضِ نشہ کے غیرت دل میں
جب کہ آجائے وُہی پہلی سی ہمت دل میں — پھر وہی ہم ہوں وہی قوم کی الفت دل میں

پیدا ہو جائے سرِ نو سے میری شان وہی
تب یہ ثابت ہو کہ ہم بھی ہیں مسلمان وہی

اور اک جام کوئی ایسا پلا دے مجھ کو — اپنی اس قوم کا دیوانہ بنا دے مجھ کو
رو رہا ہوں میں زمانہ سے ہنسا دے مجھ کو — مژدۂ قومی کوئی آج سنا دے مجھ کو

آج رندوں میں صبا جا کے پکار آئی ہے
سُنتے ہیں پھر میرے گلشن میں بہار آئی ہے

ولولہ پھر یہ ہوا ہے وُہی پیدا دل میں — شوق کا اُمڈا چلا آتا ہے دریا دل میں
آرزو سیکڑوں لاکھوں ہیں تمنا دل میں — کیا کہوں تجھ سے میں ساقی کہ ہے کیا کیا دل میں

ہے ارادہ کہ لگاؤں گُلِ مقصد کا چمن
رشکِ گلزارِ جناں یعنی ہو سید کا چمن

یوں تو ہے غیر کا گلشن بھی بہت پھولا پھلا — غنچۂ دل میرا اس سیر سے لیکن نہ کھلا
دل پژمردہ اسی طرح ہی مرجھایا ہوا — راس آئی نہ مجھے غیر کے گلشن کی ہوا

پھول کیا توڑیں کہ بلبل کی ہی فریاد کا ڈر
خوف گلچیں کا کبھی ہے کبھی صیاد کا ڈر

ہے یہی اپنی تمنا ہے یہ ارماں اپنا — باغباں اپنا گل اپنا ہو گلستاں اپنا
باغ کا اپنے ہو پھول اور رہے داماں اپنا — لطف جب ہے کہ ہو پورا سروساماں اپنا

دل نہ پھر غم گلچیں میں کبھی غرق رہے
آشیاں اپنا نہ مشق ستم برق رہے

ہم میں موجود ہیں ساقی وہی اب بھی جوہر — آغا خاں سے کوئی پوچھے میری حالت جا کر
یاں یونیورسٹی کا لفظ تھا آنا لب پر — خیر مقدم کیا کس جوش سے ہم نے بڑھ کر

سنتے ہی ہند میں ایک دھوم مچا دی ہم نے
آگ اس سمت سے اس سمت لگا دی ہم نے

کون وہ صوبہ ہے جس جا نہیں چرچا اس کا — کون ہے شہر جہاں پر نہیں شہرہ اس کا
کون قصبہ ہے جہاں پر نہیں قصہ اس کا — کون سے گاؤں میں پہنچا نہیں مژدہ اسکا

جسکو ہمدردی نہیں اس سے وہ انساں ہے کون
آخرش ہم بھی تو دیکھیں وہ مسلماں ہے کون

اس میں مفلس بھی ہیں اور صاحب دولت بھی شریک — اور ہیں سیکڑوں اصحاب ریاست بھی شریک
علما بھی ہیں بزرگوں کی جماعت بھی شریک — مختصر یہ کہ ہے اللہ کی رحمت بھی شریک

جب مددگار خدا بھی ہے تو دقت کیا ہے
اک یونیورسٹی ہو جائے تو حیرت کیا ہے

تم بھی کچھ رکھتے ہو اے اہل گیا اسکی خبر — قوم کا اپنے بھی آخر ہے کوئی حق تم پر
دیکھیں ہوتے ہو سبکدوش تم اس سے کیونکر — ہے تمہاری ہی طرف آج علیگڈھ کی نظر

دیکھیں اس کام میں کس طرح سے کد کرتے ہو
کس قدر آج تم آپ اپنی مدد کرتے ہو

اب تو یہ رُکتا ہوا کام نہیں آتا نظر
اب یونیورسٹی بے شبہ رہیگی ہو کر

جا ہے اہل گیا تم کو خیال اس کا مگر
قومی الزام نہ رہجائے کہیں گردن پر

سر فدا کر دو اگر پاس اک حبہ نہ رہے
ہاں مگر دامنِ غیرت پہ یہ دھبہ نہ رہے

انجم از گیا

فغانِ سخن

مرحبا اوجِ بے نشانِ سخن
لامکاں بن گیا مکانِ سخن

لوحش اللہ ترقی معکوس
ہیں تہ خاک آسمانِ سخن

تو نے لب بند کر دیئے سب کے
حبذا لذتِ بیانِ سخن

ہو گئے اک جہاں کے دل بشگفتہ
تجھ سے اے باغِ بےخزانِ سخن

کر دیا تو نے آج صُمٌ بُکمٌ
نالۂ صُور بےفغانِ سخن

رفتہ رفتہ بنی زمانے میں
خواب گونگے کا داستانِ سخن

بن گئے آئینہ سرِ دیوار
طوطیانِ شکر لبانِ سخن

دم بخود مثلِ پیکرِ تصویر
بلبلانِ غزلستانِ سخن

لحن داؤد سے ترے دم خشک
ہو گیا بحرِ بیکرانِ سخن

تیرے اعجاز موسوی سے ہوئے
تہ نشیں گنجِ شایگانِ سخن

ایک موجِ مسیح دم سے تیری　　اُٹھ چلا جسمِ بے روانِ سخن
آخر آخر جہاں قرار لیا　　لُٹ گیا وُہ بھی کاروانِ سخن
جس میں لاکھوں تھے قافلہ سالار　　اور اتنے ہی پاسبانِ سخن
جس کے شاہانِ قوم سب ہمدرد　　حکمراں جس کے حکمرانِ سخن
خضرِ رہ جس کے پیشوائے طریق　　اہلِ اقوام رہروانِ سخن
قوم کی قوم جس میں تھی موجود　　دین و ایمان و جسم و جانِ سخن
قوم وُہ قوم کونسی یعنی　　جس کے قبضے میں تھا جہانِ سخن
جس کی مٹھی میں دل زمانے کے　　جس کا ہر غنچہ عطردانِ سخن
جس میں ایک ایک فرد فردِ ضعیف　　مردِ میدان و پہلوانِ سخن
جس کے سب ناتواں قوی بازو　　ہو بہو گُردِ سیستانِ سخن
سر پہ موجود اِک خدا جس کے　　اور پھر وُہ بھی مہربانِ سخن
جس کا حامی خدا حبیبِ خدا　　قوم وُہ قوم گلّہ بانِ سخن
آج اُس قوم میں یہ حالت ہے　　شیرِ شرزہ بنے شبانِ سخن
اپنے لشکر کے ننگے ہاتھی　　صاحبِ نوبت و نشانِ سخن
سر پہ چھایا نفاق با قسمت　　تیرہ تر ہو گیا جہانِ سخن
شہسواروں نے ڈال دیں باگیں　　گر پڑے تھک کے راکبانِ سخن
ٹھوکریں ہر قدم پہ کھانے لگا　　اشہبِ مطلق العنانِ سخن
ہُو کا میدان آج ہے وہ چوک　　جس میں کل گرم تھی دکانِ سخن
آج اِک لق و دق بیاباں ہے　　کل جو تھا قلعۂ شہانِ سخن
آج مسکن ہے جانے کس کس کا　　تھے جہاں جمع میزبانِ سخن
بھولے بسرے کہیں دو چار　　نظر آتے ہیں میہمانِ سخن

وُہ بھی مہماں سرائے ہستی میں — ہیں مقدر سے نوحہ خوانِ سخن
شکل یُوسف ہیں کارواں سے جُدا — خوبرویانِ دلستانِ سخن
آنے جانے میں بالمثل تھی ایک — شانِ اسلام اور شانِ سخن
ساتھ ساتھ آئی ساتھ ساتھ گئی — رُوحِ اسلام اور جانِ سخن
یا وفا اس زمین ہی پہ نہ تھی — اِس سے خالی تھا آسمانِ سخن
یا وفا کو بھی خود نبھا نہ سکے — صُورتِ جنس رائگانِ سخن
یا نہ تھے قابلِ وفا ہرگز — عاشقان و ہمن برانِ سخن
یا ازل سے خلاف تھی قسمت — وائے بر حالِ صاحبانِ سخن

اُکھڑی باتوں سے فائدہ آخر
چھیڑ دو کھُل کے داستانِ سخن

مطلع ثانی

کوئی ملتا جو قدردانِ سخن — پیش کرتے کچھ ارمغانِ سخن
عُمر گذری اسی تجسّس میں — چھان مارا بہت جہانِ سخن
دِل کی حسرت مگر رہی دل میں — لب تک آئی نہ داستانِ سخن
جس زمیں پر گئے نہ سر سے ٹلا — شکل تقدیر آسمانِ سخن
ہر طرف ہاتھ پاؤں مار آئے — تجھ میں اے بحرِ بیکرانِ سخن
چھانے ہر چند کوچہ و بازار — بند پائی مگر دکانِ سخن
وہ بھی کیا دن تھے جن میں رائج تھا — سکّۂ دولتِ روانِ سخن
دولتِ لازوال کہتے تھے — یک زباں اس کو راویانِ سخن
دونوں عالم کی نعمتیں تھیں بہم — دین و دُنیا تھے ہمزبانِ سخن
سب سخن سنج صادق الاقرار — فخرِ صادق البیانِ سخن

قول کے ٹھیک بات کے پورے — اور سچ مچ کے رازدانِ سخن
گرچہ اُس وقت میں بھی رہتا تھا — ایک سے ایک ہمعنانِ سخن
لڑتے بھڑتے گذار دیتے تھے — عمر کی عمر پہلوانِ سخن
چین سے بیٹھتے نہ تھے دم بھر — ہم نبردان و ہمعنانِ سخن
صلح پر تھی بنائے جنگ مگر — پاک باطن تھے کاملانِ سخن
لڑتے جاتے تھے بنتے جاتے تھے — دانہ سبحہ تھے یلانِ سخن
چلتی جاتی تھی گھستی جاتی تھی — تھی زبانِ قلم زبانِ سخن
قطعہ پہ قطعہ سینکڑوں لگاتے تھے — رات دن اُس پہ کاتبانِ سخن
جانتے تھے ودیعتِ عظمٰے — تھے دل و جاں سے پاسبانِ سخن
بے طلب اُنکے روبرو زر و مال — پیش کرتے تھے طالبانِ سخن
بنکے دامانِ دولت و اقبال — سر پہ تھا سب کے سائبانِ سخن
فارغ البال خوش گذر خوشحال — کھاتے پیتے تھے آب و نانِ سخن
اہلِ عالم تھے قدردان انکے — اور وہ آپ قدردانِ سخن
خود مناتے تھے قوم کے سلطان — رُوٹھ جاتے تھے گر شہانِ سخن
ملک گیری میں فوج کے آگے — طبل و قرنائے افسرانِ سخن
کود پڑتے تھے یا علی کہکر — رزم میں شیر بیشگانِ سخن
زنگ آلودہ تیغ بے صیقل — صاف کر دیتی تھی فسانِ سخن
فوج کو مُردہ دِل جو پاتے تھے — پھونک دیتے تھے بڑھ کے جانِ سخن
کارنامے گئے زمانے کے — چھیڑ دیتے تھے ناقلانِ سخن
ہر طبیعت میں جوش ہو پیدا — یوں سناتے تھے داستانِ سخن
باتوں باتوں میں دِل بڑھاتے تھے — سحر پیشہ تھے ساحرانِ سخن

یا مجاز آ مسیح مرسل تھے — سب رجز خوان وادیانِ سخن
اُن کا ہر نعت و تیغِ جوہر دار — اور ہر لفظ اک سنانِ سخن
حامی فوج ہادیِ اسلام — افسر قوم رہبرانِ سخن
محفلیں رات دن سجاتے تھے — اوستادان و پیروانِ سخن
ہوتے رہتے تھے روز گھر بیٹھے — صاف طینت سے امتحانِ سخن
کج ڈیرے کہیں کل اور کہیں — تھے جہاں گشت رہروانِ سخن
جمع ہوتے تھے منزلوں چل کر — جوق در جوق کاروانِ سخن
میہمانوں کی پیشوائی کو — گھر سے بڑھتے تھے میزبانِ سخن
تھی ہر اک بزم میں جگہ اُنکی — میر محفل تھے قدر دانِ سخن
عرش پر کیوں نہ ہو دماغ تیرا — مرحبا اوجِ آستانِ سخن
زیر منبر ہوں صاحب معراج — اور منبر ہو نردبانِ سخن
تھی خدا کے حبیب کو محبوب — اَیُّھَا الْقَوْمُ عزّ و شانِ سخن
سب کو پیارے کی ہر ادا پیاری — ایک تم مدعی جانِ سخن
ہے غنیمت دم درود پڑھو — تازہ ہو جائیگی زبانِ سخن
پڑھتے آتے ہیں عطر و گل نہ رو — اہلِ بستان باغبانِ سخن
غنچے غنچے کو دل میں رکھتے ہیں — عندلیبانِ نغمہ خوانِ سخن
یا ہوا سے بچاتے ہیں دامن — خود ہوا خواہ بوستانِ سخن
طوطیوں کو ہے آئینے سے گریز — سرو سے بیڑھی قمریانِ سخن
شاخسانے نکالتی ہیں ہزار — صحنِ گلشن میں لولیانِ سخن
وقت بیوقت کی اُڑاتے ہیں — ساقیانِ و مُغنیانِ سخن
شاخ سے مثل برگ خشک الگ — نونہالانِ خوشقدانِ سخن

صورتِ بوئے گل جدا گل سے — شاہدانِ سمن برانِ سخن
ہر روش پھر رہے ہیں بیگانہ — شکلِ سبزہ یگان یگانِ سخن
لے اُڑے ہیں نسیم کے جھونکے — ہر روش کی طرح آشیانِ سخن
دستِ قدرت ز خویش لب کشود — رشتہ در قوم و درمیانِ سخن
نامزد قوم میں شریف القوم — صاحبِ قوم ہر جوانِ سخن
قوم کے ساتھ ہی مٹی افسوس — رفعت و شانِ دودمانِ سخن
تھی سکت اہلِ قوم میں جب تک — کچھ توانا تھے ناتوانِ سخن
خون کا جوش قوتِ اسلام — سر پہ دو دو تھے موتیانِ سخن
ورثۂ انبیا ہے جس کا نام — اُس پہ قابض تھے مالکانِ سخن
وہ بھی جاگیر ہاتھ سے کھو کر — بیٹھے آخر معلمانِ سخن
گر ہمیں مکتب است و این ملّا — ہے خدا ہی نگاہبانِ سخن
کارِ طفلاں خراب خواہد شد — کان تک آ چکی فغانِ سخن
تو نے گھر در سے کھو دیا ہیہات — اے زمینِ سخن زمانِ سخن
تیری بے مہریوں نے خاک کیا — آہ اے مہرِ آسمانِ سخن
گر بدر یار رود برآرد دود — قدم سبز سالکانِ سخن
خاک بجھتے ہیں تیرے ظلم میں — چمن و گنگ و نہروانِ سخن
ندیاں خون کی بہاتے ہیں — شعب بوّان و اصفہانِ سخن
کوفہ و نجد و بصرہ و بغداد — بھوکے پیاسے ہیں نغمہ خوانِ سخن
گنجہ و طوس و فاریاب و جام — ہیں قیامت کے تشنگانِ سخن
مرو و شیراز و آمل و طہران — تھک گئے ڈھونڈھ کر نشانِ سخن
اپنی ترکی تمام کر بیٹھے — روم و رَے اور ترکمانِ سخن

دہلی و لکھنؤ جو باقی تھے | جانِ اہلِ زبان و کانِ سخن
خاتمِ شانِ و شوکتِ اسلام | آخریں نوبتِ شہانِ سخن
جنکے دیوان خاص و عام میں کل | میر منشی تھے منشیانِ سخن
جنکے دربار گرم رکھتے تھے | ناثر و ناظمِ جہانِ سخن
آجتک جنکے بام و در پر ہیں | نام و القاب صاحبانِ سخن
آجتک جنکے پھوٹے کھنڈروں میں | دفن ہے دولتِ نہانِ سخن
آجتک جنکے نام سے رائج | سکۂ نقدِ رائیگانِ سخن
آجتک جنکی اگلی گلیوں میں | کچھ مسلّم بھی ہیں مکانِ سخن
جوہری جنکے چوک میں اب تک | ہیں سجائے ہوئے دکانِ سخن
دو زیادہ کہیں تو چار کہیں | قابلِ قدر ناقدانِ سخن
جنکے باغوں کے اجڑے تختوں میں | ہیں ابھی چند باغبانِ سخن
جنکی پایاب ندیوں میں ابھی | تیرتے ہیں شناورانِ سخن
جنکی روندی ہوئی کچھاروں میں | ہیں نہاں شیر بیشگانِ سخن
جنکی پامال مرغزاروں میں | چلتے پھرتے ہیں اعیانِ سخن

(ثاقب بدایونی)

تازہ غزلیں

(از جناب امین الحسن صاحب رضوی تسبیل)

ذرا تو یاد کرو وہ دوستی کا کروفر پہلے | کبھی کچھ ہم سے تجھ سے بھی تو تھی بیداد گر پہلے

تری مستانہ آنکھوں کی قسم اتنک کھٹک سی ہے | لی تھی مجھ سے جو صبر آزما نیچی نظر پہلے
گیا دل اور اثر بھی ساتھ ہی لیتا گیا ظالم | تمہیں معلوم ہی آتش نہ تھے ہم پر اثر پہلے
ترے قربان ساقی مجھ کو مستغنی کیا تو نے | لئے پھرتی تھی میری تشنہ کامی در بدر پہلے
نگاہوں میں تو اب آئی ہی بیباکی و عیّاری | بہت ہی بھولے بھالے تھے تیری تیر نظر پہلے
یہ سر قدموں پہ اُنکے ٹوٹ کر ملنے نے پہنچایا | جھکا تھا ورنہ کب کس کے لئے بسمل یہ سر پہلے

امین الحسن رضوی بسمل

آشنا جب کہ ترے نام سے لب ہوتا ہے | رات کا آخری حصہ وہ غضب ہوتا ہے
ہاتھ پر دل ہیں سپنے نذر لئے سب موجود | بے نیازی میں عجب حسن طلب ہوتا ہے
مہربانی بھی رُلاتی ہے لہو اب جانا | آپ کا لطف بھی گریہ کا سبب ہوتا ہے
نامہ بر اُنکو جو راضی نہ کیا کچھ نہ کیا | بات کرنیکا بھی کہتے ہیں کہ ڈھب ہوتا ہے
آنکھ کھل جائے اگر دیکھ لیں سونیوالے | وہ دل آویز سماں آخر شب ہوتا ہے
مہر و مہ میں بھی تو اک جلوہ گری ہے لیکن | دل کے کھینچنے کا کوئی اور سبب ہوتا ہے
بے نیازی کا ہے الزام جو چپ رہتا ہوں | اور کہتا ہوں جو کچھ ترک ادب ہوتا ہے
وہ زباں دے تو چکے ہیں مگر ایفا کا خیال | دیکھنا یہ ہے کہاں اور یہ کب ہوتا ہے
ہر بگولے نے کیا تربت مجنوں کا طواف | ادب آموز محبت کا ادب ہوتا ہے
یوں سمجھ لیجئے ہر کام کی علت ہے ضرور | کچھ نہ کچھ شکر و شکایت کا سبب ہوتا ہے

میری غزلوں کی ہوئی قدر مرے بعد حفیظ
کوئی ہر شعر پہ اب داد طلب ہوتا ہے

حفیظ جونپوری

کون کہتا ہے کہ وہ اور کہیں رہتے ہیں
میرے دل میں جو وہ رہتے ہیں یہیں رہتے ہیں

کتنے آرام سے سب زیرِ زمیں رہتے ہیں
شاہ رہتے ہیں شہنشاہ وہیں رہتے ہیں

ایک لمحہ بھی ٹھہر جائے کسی کی کیا تاب
تیرے کوچے میں ستمگار ہمیں رہتے ہیں

ہے فنا سب کو فقط ایک خدا باقی ہے
دل پہ کندہ یہ مرے نقش و نگیں رہتے ہیں

دیکھتے ہی انہیں دل ہوش جگر صبر قرار
میرے قابو میں یہ دو چار نہیں رہتے ہیں

یاد احباب و اعزا ہے مہمان کہاں
اک دل اللہ نے دیا اس میں حسیں رہتے ہیں

شیخ کی پگڑی اُڑا لائے ہیں رکھ لے ساقی
بے پئے کب یہ خرابات نشیں رہتے ہیں

حضرتِ دل کو عجب شوق ہے اس محفل کا
ہم جہاں چاہے رہیں آپ وہیں رہتے ہیں

یہ تصور ہمیں پہنچا ہی دیا کرتا ہے
وہ جہاں رہتے ہیں بس ہم بھی وہیں رہتے ہیں

صاف دیتے ہیں دو رنگیٔ زمانہ کا پتہ
دونوں گیسو جو ترے رخ کے قریں رہتے ہیں

وہ شہ حسن ہے بیچارہ وحید ایک گدا
گھر میں درویش کے سلطان کہیں رہتے ہیں

(از جناب معراج صاحب)

تیرے وحشی جو رواں سوئے بیاباں ہونگے
دامن و جیب بہم دست و گریباں ہونگے

حشر میں کیا ہی مرے عفو کے ساماں ہونگے
اُس کی رحمت کے مقابل میری عصیاں ہونگے

روز و شب عیش کے جس قوم میں ساماں ہونگے
ایک دن اس کے سب افراد پریشاں ہونگے

لاکھ غلت گر دیں دشمن ایماں ہونگے
تجھ سے بڑھ کر نہ ستمگر وہ مری جاں ہونگے

پی کے مے جبکہ سر سبزہ خراماں ہونگے
اُنکے چہرے سے عیاں لاکھ گلستاں ہونگے

زخم سب سودۂ الماس کے خواہاں ہونگے
ہم نہیں وہ کہ جو درماندۂ درماں ہونگے

مجھ سے دل ریش پہ یوں یار کے احساں ہونگے
زخم ہونگے مرے اور اُنکے نمکداں ہونگے

بندۂ مقنع نہ حجابِ رُخِ جاناں ہونگے　　شمعِ رُو چھپ کے چراغِ تہِ داماں ہونگے

چونکہ شیوہ نہیں آزارِ خلائق اپنا　　مجھ سے ناراض نہ ہندو نہ مسلماں ہونگے

سخت مشکل ہے چلے یونیورسٹی کا جہاز　　ناخدا جبکہ نہ عثمانِ علیخاں ہونگے

معنیٔ کلکِ قوارِیر کھلینگے ہم پر　　ساقِ سیمیں ترے جب ڈل[1] میں نمایاں ہونگے

تجھ کو خورشید سے ہے کسبِ سعادت ورنہ　　میرے سینے میں بھی داغ آئے مہِ تاباں ہونگے

معبر کے اُمتِ مرحوم نے مارے ہیں جہاں　　چپے چپے پہ وہاں گنجِ شہیداں ہونگے

واعظِ شہر تو ہر رنگ میں وحشی نکلا　　ہم سمجھتے تھے کہ یہ خیر سے انساں ہونگے!

ہوگا رونق پہ عجب علمِ ادبِ دِلّی کا　　غالبؔ و ذوقؔ سے جب اس میں سخنداں ہونگے

جاکے دیکھو گے کھنڈر دِلّی و بغداد کے گر　　خاک میں اب بھی نہاں گوہرِ رخشاں ہونگے

اب تلک نسخۂ دُنیا ہے مجزّی سارا　　ایک دن سارے یہ اوراق پریشاں ہونگے

حالیؔ و شبلیؔ کے انفاسِ مسیحائی سے　　دہلی و لکھنؤ شیراز و صفاہاں ہونگے

طبعِ ذخّار سے دُرہائے سخن ہیں پیدا　　ہم نہ دریوزہ گرِ قلزم و عمّاں ہونگے

رنگِ حالیؔ میں غزل خوب لکھی ہے معرجؔ
اب تو قائل ترے ناظرؔ[2] سے سخنداں ہونگے

(از محمد شفاعت احمد برقؔ دہلوی)

نہ ٹلتے کاش سنگِ آستاں ہو کر ترے در سے　　ہوئے پامال ناحق اپنے بیگانے کی ٹھوکر سے

دلِ وحشی ملیگا کیا صلہ کوئے ستمگر سے　　صدائے ظلم آتی ہے جہاں دیوار سے در سے

یہاں رونے کی بندی ہے کھچا واں تار خنجر سے　　ستم ہے تشنہ لب پر قطرہ قطرہ ہی جو یوں ترسے

مری تقریر تارے آسماں سے توڑ لاتی کیا　　تبسّم سے لبِ نازک کھُلے اور پھول تک برسے

---

[1] کشمیر کی مشہور جھیل [2] چودھری خوشی محمد صاحب ناظر گورنر کشمیر

گذرتے ہیں آسانی مراحل عشق سے دم میں — وہ نہلاتے ہیں جب کشتوں کو اپنے آب خنجر سے

نہیں دیکھا جو حال دل شہیدوں کا تو لو دیکھو — بجائے اشک خوں برسے بلا سے دیدۂ تر سے

شب وعدہ تمناؤں پہ میری پھر گیا پانی — عرق آیا جبین ناز پر جب دیدۂ تر سے

چلے آئے ہیں زاہد آج میخانے میں قسمت سے — انہیں نہلاؤ دل کے دوستو سب آب کوثر سے

زمانہ میں ہے روشن روسیاہی آہ سوزاں کی — بڑھے جاتے ہیں کیوں داغ جگر خورشید خاور سے

دل نازک ادا اور آہ سوزاں الاماں یارب — ہوا ہے سامنا کیوں تنکے کا پیہم باد صرصر سے

مرا ہے مجھکو مرنا بھی گمان بد سے مرقد پر — وہ اب تک کر رہے ہیں سنگباری سنگ مرمر سے

تڑپ جاتا ہوں جب آنکھیں دکھا کر مجھ سے کہتے ہیں — کبھی اس گھاٹ بیڑا پار ہوگا آب خنجر سے

بلا سے جان جائے جائے پر تم حال دل دیکھو — چلا آتا ہے پارہ پارہ ہو کے دیدۂ تر سے

خیال نوک مژگاں دیکھئے کیا کیا ستم ڈھائے — چلی آتی ہے بوئے خوں مجھے ہر تیر کے پر سے

کہاں تک زخم پنہاں کا رہے پردہ قیامت ہے — میں پٹی باندھتا ہوں پھاڑ کر دامان محشر سے

بتوں کی یاد نے کعبے میں ہم کو جاں بلب رکھا — چلے آئے مقدر سے پھرے اللہ کے گھر سے

خموشی اب تو لازم ہے تمہیں اے برق محفل میں — دلوں پر چوٹ لگتی ہے بہت گہری [illegible]

(از جناب سید سلطان سنگرولی تلمیذ حضرت تجلی صاحب)

جب چلے ہیں سیر گلشن کو تو کس کس سے لڑے — گاہ سنبل سے وہ الجھے گاہ نرگس سے لڑے

رشک اس کا نام ہے دنیا میں کس کس سے لڑے — میری الفت میں [illegible] سے لڑے

رہگذر میں یوں تو ہے مشتاق عالم کی نگاہ — اس کی قسمت تیری چشم جنگجو جس سے لڑے

دست رس ہو جائے گر اکسیر خاک در کبھی — اپنی قسمت سیم تن بخت مہوس سے لڑے

چڑھ رہی ہیں تیوریاں ہر طالب دیدار پر — وہ اکیلا چاہتا ہے ساری مجلس سے لڑے

مدعی ہوتے ہیں دولتمند۔ دولتمند کے — کوئی سمجھا دے تونگر کو نہ مفلس سے لڑے

دیدہ بازی ایسی ہے اُس گلبدن کو ناگوار
گھور کر دیکھے اگر نرگس۔ تو نرگس سے لڑے

کس طرح تم پر نہ ہوں قربان نگاہیں بزم میں
چشم پروانہ۔ نہ کیونکر شمع محفل سے لڑے

فتنہ گر کہکر۔ اُٹھانا چاہتے ہیں کیوں حضور
کس سے جھگڑے آپکی محفل میں ہم کس سے لڑے

بس وُہی ہے خوبرو سُلطان چاہیں جسکو ہم
بس وُہی ہے دلربا۔ اپنی نظر جس سے لڑے

(از جناب مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی صاحب)

اے دل یہ ہے خلافِ رسمِ وفا پرستی
تو بہ بتوں کے آگے ذکرِ خدا پرستی

اِک خنجرِ قضا ہے اِک نشترِ جفا ہے
وُہ چشمِ شوخ جو ہے مستِ حیا پرستی

دکھلاؤ نگا تماشا اس آئینہ میں تم کو
صبحِ ازل سے دل ہے محوِ صفا پرستی

ظالم کو ہے یہ کوشش اسکو کہیں مٹا دوں
مظلوم دل کو میرے فکرِ بقا پرستی

کیوں سازو برگِ ہستی کرتا ہے تو مہیا
دُنیا کو رات دن ہے ذوقِ فنا پرستی

تو ہے عزیز بیشک مردِ خدا رسیدہ
یہ حکمت و تصوّف یہ اولیا پرستی

(از جناب منشی محمد صدیق حسن صاحب صدیق دہلوی تلمیذ جناب میر لالہ راسخ مرحوم)

نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا عدو سے یار کا پہلو
جُدا ہو خار سے کیونکر گلِ گلزار کا پہلو

بنایا رشکِ آئینہ خدا نے یار کا پہلو
نظر آتا ہے اس میں ہر در و دیوار کا پہلو

مَیں اس ڈر سے مگر ان کا بوسہ بھی نہیں لیتا
نکل آئے نہ کوئی پیار میں تکرار کا پہلو

مجھے آنکھیں دکھائیں پہلے پھر ابرو میں بل ڈالے
لگا کر تیر یاد آیا انھیں تلوار کا پہلو

خریدار انہ جا بیٹھیں گے اس یوسف لقا کے گھر
کرینگے گرم جا کر حسن کے بازار کا پہلو

جگر میں ٹیس ہے دل میں کسک ہے درد پہلو میں
تیری نوکِ مژہ میں ہے سرِ خار کا پہلو

یقیں کس کا کروں جب اک سخن سے نکلیں دو پہلو
ترے اقرار کے پہلو میں ہے انکار کا پہلو

مجھے وہ بزم ہے اعراف بھی جنت بھی دوزخ بھی
ادھر سے یار کا پہلو ادھر اغیار کا پہلو

نہ کیونکر یہ دردِ دل ہو جان سے بڑھکر عزیز انکو
بدلواتا ہے اٹھ اٹھ کر ترے بیمار کا پہلو

اگر ڈر ہے قیامت کا تو اتنا ہی فقط ڈر ہے
نہ کہہ لے اختیار آکر تیری رفتار کا پہلو

ہنسی میں بھی نکل آتے ہیں آنسو سچ ہے اے صدیق
چھپا ہوتا ہے راحت میں بھی ایک آزار کا پہلو

(از جناب سید رضا حسین صاحب رضا اعوان پوری)

نہ دلدار پہ منت کشِ درباں ہونا
اس سے بہتر ہے شبِ ہجر میں بیجاں ہونا

نخلِ قامت کا مرے سرو چراغاں ہونا
داغِ فرقت کو سکھا دیتا ہے سوزاں ہونا

مژدہ اے مرگ کہ آزردہ ہے وہ رشکِ مسیح
سخت مشکل ہے مرے درد کا درماں ہونا

حسن و الفت کا کرشمہ تھا زلیخا کی قسم
ماہِ کنعاں کا اسیرِ چہ و زنداں ہونا

شاخِ گل پیشِ رخِ غنچہ دہن رکھ دیجے
نہیں مشکل شجرِ سیبِ زنخداں ہونا

خاکساری سے فقط مطلب و مقصد ہے یہی
سرمۂ مردمِ نادیدۂ خوباں ہونا

دیکھکر خالِ رخِ یار پہ یاد آتا ہے
کعبے میں زنگیوں کا حافظِ قرآں ہونا

آہ ناوک زکماں رفتہ پر اے تیرِ نگہ
قتلِ عشاق پہ بیوقت پشیماں ہونا

وصلِ خورشید بظلمات کا مضموں ہے صاف
گیسوؤں کا رخِ مہرو پہ پریشاں ہونا

کششِ عشق تھی لیلیٰ کی طرف سے ورنہ
قیس کا مائلِ اسباق و دبستاں ہونا

اے رضیٰ مرضیِ مولیٰ پہ رضامند رہو
نہیں ہر ایک کی قسمت میں سخنداں ہونا

(از جناب یاس عظیم آبادی تلمیذ جناب شاد)

فکر انجام نہ آغاز کا کچھ ہوش رہا
چار روز تک تو جوانی کا عجب جوش رہا

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا
کشمکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

نشۂ الفتِ ساقی کا عجب جوش رہا
ہولِ صحرائے قیامت بھی فراموش رہا

دھوم سنتے رہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں
حشر تک میں یونہی کھولے ہوئے آغوش رہا

نکہتِ گل کی طرح جامہ سے باہر ہونگا
فصلِ گل کا جو گلستاں میں یہی جوش رہا

سایۂ دامنِ قاتل میں جو نیند آئی مجھے
پھر تو کروٹ بھی بدلنے کا نہ کچھ ہوش رہا

رحمتِ حق رہی ہم عاصیوں پر سایہ فگن
سر پہ چھایا ہوا اک ابر خطا پوش رہا

بحرِ رحمت میں بہت ہوگا تلاطم برپا
تجھکو اے اشکِ ندامت جو یہی جوش رہا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کون سی عالم میں نئی
عمر بھر کس لئے محروم یہ میکوش رہا

حالِ دل ہو گیا حسرت کی نگاہوں سے عیاں
ٹکٹکی باندھے ہوئے میں یونہی خاموش رہا

اٹھتے اٹھتے تھی وہی بزم کی مستانہ روش
چلتے چلتے بھی خمِ مے کو وہی جوش رہا

دور کھچتی ہی گئی منزلِ مقصود مگر
روبرو عشق کی ہمت کا وہی جوش رہا

پھر گئیں آنکھیں مری کوچۂ جاناں کی طرف
شکر ہے مرتے دم اتنا تو مجھے ہوش رہا

یاس نے ساتھ نہ چھوڑا کبھی مرتے مرتے
تیرے قدموں سے لگا صورتِ پاپوش رہا

(از جناب بیتاب عظیم آبادی)

شادمانی کا کبھی غم کا کبھی جوش رہا
ایک سودا رہا جب تک کہ مجھے ہوش رہا

غرقِ دریائے محبت دلِ پرجوش رہا
اے خوشا قطرہ جو قلزم سے ہم آغوش رہا

رخِ پر نور سے بس انکا الٹنا تھا نقاب
کون کمبخت تھا ایسا کہ جسے ہوش رہا

روح پرورد وہ صدا اور وہ تسلی جاں بخش
ہمہ تن چشم رہا میں ہمہ تن گوش رہا

لے سحر آتی ہے دم توڑ رہے ہیں عاشق
تو کہاں شام سے او وعدہ فراموش رہا

لڑکھڑاتے ہوئے ہم تا لبِ کوثر پہنچے
بعد مرنے کے بھی ساقی کا ہمیں ہوش رہا

کیا اثر رکھتی ہے مستانہ نظر ساقی کی
جس کو مدہوش کیا اُس نے وہ مدہوش رہا

خود سفینہ مرا پہنچے گا لبِ ساحل تک
بحرِ مواج بقا کو جو یونہی جوش رہا

تیرا بسمل تو تڑپنے کو سمجھتا ہے حرام
نہ اُڑیں خون کی چھینٹیں یہ وفا کوش رہا

کیا بُرا حال ہے بلبل کا قفس میں صیاد
گو بہار آئی وہ خاموش کا خاموش رہا

نظر آتا رہا ساقی رُخ نورانی دوست
جب تلک ہاتھ میں جام مئے سرجوش رہا

دل ہو یا جان ہے یا چشم تماشائی ہو
جو ترا محرم اسرار تھا خاموش رہا

ساقیا بزم میں یہ فرقِ مدارج کیسا
کوئی مدہوش ہے پی کر کوئی باہوش رہا

بے دھڑک بھیڑ میں محشر کی وہ آنا تیرا
دیکھ لینا جو کسی ایک کو بھی ہوش رہا

مطمئن قلب ہوا راحتِ روحانی ہے
اب نہ وہ شوق کی تکلیف نہ وہ جوش رہا

درد اُٹھتے ہی تڑپنے لگا وہ محرم راز
جو ادا سے تیری واقف تھا وہ خاموش رہا

نہ بجھنے والا نہیں اے رُوح کبھی تیرا چراغ
نہ رہے گا نہ کسی وقت وہ خاموش رہا

اک شبِ ہجر پہ موقوف نہیں اے بیتاب
جب پڑی سخت مصیبت تو میں خاموش رہا

کلتی مے دی مرے ساقی نے مجھی کیا معلوم
جام میرا تو ہمیشہ تہ سرپوش رہا

نہیں معلوم مرا زخم جگر کیسا ہے
چارہ گر دیر تلک دیکھ کے خاموش رہا

(اکبر عظیم آبادی)

وصل کی رات کوئی بات بھی مُنہ سے نکلی؟
یوں تو کہنے کو میں کہدوں کہ مجھے ہوش رہا

میری بالیں پہ وہ اغیار کے ساتھ آئے تھے
یہ سبب تھا کہ میں بیہوش کا بیہوش رہا

سید محمد محی الدین تمنا

ہے عبث تجھ پہ یہ الزام کہ روپوش رہا　　طالبِ دید کو دیدار کا کب ہوش رہا

شفق

وادیٔ عشق میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں پاؤں　　جیت لیتا ہوں یہ میدان جو بیجوش رہا

(مفتونؔ عظیم آبادی)

دیر سے ہی لب کوثر یہی ساقی کی پکار　　اور باقی تو نہیں اب کوئی مینوش رہا

زیرِ خنجر بھی نہ تڑپا میں ذرا او قاتل　　مرتے مرتے بھی میں کس رجہ وفا کوش رہا

(آرزوؔ عظیم آبادی)

(از جناب امین الحسن رضوی بسمل)

گو فلک نے پیچ لاکھوں ہی کئے　　اپنے بل پر میں سنبھلتا ہی رہا

فتنۂ محشر کی قامت سے مگر　　قد تمہارا کچھ نکلتا ہی رہا

خوب کاٹی عمر تو نے اے اُمید　　میں دعاؤں سے بہلتا ہی رہا

کوسنے اُن کے دعائیں ہو گئیں　　یاں نہالِ عشق پھلتا ہی رہا

ہونے والی تھی جو چوری ہو گئی　　پاسبان شب بھر ٹہلتا ہی رہا

خال بن بنکر رخِ تاباں کا تل　　نور کے سانچے میں ڈھلتا ہی رہا

بلبل و گل میں ہنسی ہوتی رہی　　باغباں کمبخت جلتا ہی رہا

ہو گیا وہ بت نصیبِ دشمناں　　میں کفِ افسوس ملتا ہی رہا

مُڑ کے بھی دیکھا نہ خنجر نے کبھی

آپ کا بسمل مچلتا ہی رہا

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی (مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت معہ محصولڈاک ۱۲؍

اقبال دلہن (مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خانصاحب قسم اول ۸؍ قسم دوم عہ

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن عہ

ابو مسلم خراسانی - رسالۃ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے - مولوی محمد حلیم صاحب رودولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمایش پر عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے - ... ... عہ

کلام نیرنگ - میر غلام بھیک نیرنگ بی - اے وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ہے ۶؍

انتخاب مخزن - مخزن کی ۹ جلدوں کا انتخاب ہے - قیمت علاوہ محصول - عہ

درد جانستان - مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا واقعہ ۸؍

دربار نمبر - دربار تاجپوشی کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نہایت اہتمام سے نکالا گیا ہے ۶؍

مثنویات میر حسن - مثنوی بینظیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دی گئی ہے عہ

سیر تبت - انگریزی کتاب فوبے ایرس ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور تبت کی متعلق معلومات کا ذخیرہ ۱؍

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم لاہور نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں کاتبوں اور شائقین خط کے واسطے تیار کیا جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات باسانی سمجھ میں آسکتے ہیں - علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اسکی اہتمام میں مد نظر رکھا ہے دعوے ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے آجتک ملک میں چھپی نہیں ۵؍

درخواستیں بنام مینیجر مخزن - لاہور آنی چاہئیں

اٹلی کے مال کو بائیکاٹ
اور مظلومانِ طرابلس فنڈ کی مدد

ہم نے عہد کرلیا ہے کہ آئیندہ **اٹلی کا مال** ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کردیا ہی نیز ہم **اعلان** کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ترکی ٹوپیوں (**محسن الملک پیٹنٹ**، **وقار الملک پیٹنٹ** ساختہ **کرسٹی لنڈن**) کی جسقدر بکری **یکم نومبر سے تا اختتامِ جنگ** ہوگی اُس میں سے فی ٹوپی چار آنے (۴) مصیبت زدگان طرابلس فنڈ کے لئے **نذر کرینگے** +

محسن الملک پیٹنٹ استر تمام ولائتی چمڑے کا (ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہی۔ **قیمت** مع پھندنا استبولی اعلیٰ قسم ۸/

وقار الملک پیٹنٹ بشرح صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کے لئے چمڑے کی پٹی **قیمت** مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸/

تازہ مال آگیا ہی اور اس میں بہت رنگ اور سائیز موجود ہیں۔ فرمائش کیساتھ ناپ د...

دہلی دربار پر جانیوالونکو اطلاع { سفر میں بہت وزنی ٹرنکوں اور صندوقوں سے بچنا چاہیں تو چمڑے کے ہینڈ بیگ۔ گلیڈسٹون بیگ اور کٹ بیگ منگوائیے۔ جن کا ہم نے دربار کی خاطر بہت سا تازہ سٹاک منگوایا ہی اور نرخ نہایت ارزاں

سردیوں کیلئے ہر قسم کا تازہ مال آگیا ہی۔ سوئٹر۔ بنیانیں۔ کمبل۔ موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست دوکان مفت) **عبد الرشید برادر جنرل مرچنٹ و سٹیشنر**

انارکلی لاہور

چوب چینی عشبہ اور عشبہ کی اکتالیس مجرب فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

فائدہ ۱ جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کر کے کی ہے اور سرٹیفکیٹ دئیے ہیں وہ یہ ہیں۔ جب کبھی آتشک یا سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آ جائے چہرے اور جسم پر بدنما سیاہ داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ تو اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائینگے +

فائدہ ۲ جسکی تصدیق پنتالیس مختلف مریضوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابی معدہ۔ خرابی جگر۔ بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے چلے تھے۔ چہرے پر بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہو گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ۔ کبھی دست کبھی قے کبھی قبض ہو جاتی تھی۔ وہ سب اس مرکب کے استعمال سے دور ہو گئے +

فائدہ ۳ جسکی تصدیق دو سو مریض آزما کر چکے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں اور جسم پر دانے۔ پھوڑے پھنسیاں۔ کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لیسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے +

فائدہ ۴ جسکی تصدیق تینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چڈوں میں رہتا تھا اور ان سے سخت بدبو آتی تھی +

فائدہ ۵ جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور بدن میں ان کی گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں گھیکر [illegible] پیدا ہونی بند ہو گئیں +

فائدہ ۶ جسکی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں عرصہ سے ناسور اور بھگندر سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی اور سخت تکلیف رہتی تھی۔ اس مرکب کے چند روزہ استعمال سے ناسور سوکھ گیا اور زخم بھر گئے +

فائدہ ۷ جسکی تصدیق ستائیس بیمار کرتے ہیں ان کو جوڑ سے اٹھ کر درد تمام بدن اور پنڈلیوں میں پہنچا کرتا تھا جس سے ٹانگ دن بدن سوکھتی جاتی تھی۔ اسکی ایک شیشی کے استعمال سے رینگن باؤ اور درد جاتا رہا +

فائدہ ۸ جسکی تصدیق چار سو عورتیں اسے استعمال کرنے کے بعد کرتی ہیں کہ انکے پلوں میں درد اور رحم سے بدبودار پانی جاری رہتا تھا۔ ایام حیض میں کمر و سر میں درد سخت ہوا کرتی تھی۔ یہکے استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ ہو گئے رحم کا پانی بند اور چہرہ سرخ ہو گیا ہے

الغرض چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے مصفی خون ہے جو

بہت سے عشبے اکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ بلا لحاظ اس بات کی تاب و ہوا کے شراب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں جس سے خون زیادہ خراب ہو جاتا ہے (اس مرکب نے سرخ اعلیٰ فائدہ کر دکھلا دیں) اس جوہر کا انعقاد ریشہ اعصاب پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے جس سے تمام جسم کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں

ثبوت کیلئے اس کے استعمال سے پہلے اپنے بدن کو وزن کرو وزن ڈیوڑھا ہو جائیگا

نصف صدی سے یہ مرکب ملک کے ہر ایک حصہ میں تجربہ کیا گیا۔ آپ بھی تجربہ کر کے فائدہ اٹھائیں

قیمت شیشی کلاں جو ایک ماہ کیلئے کافی ہے تین روپے (سے)۔ شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ (عہ) +

علاوہ ازیں اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب ادویات موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب فولادی [illegible] (۲) طلائے [illegible] (۳) دوائی سوزاک نمبر ۱ (عہ)۔ نمبر ۲ (عہ)۔ (۴) حب دافع آتشک (عہ)۔ (۵) حب دافع بواسیر (عہ)۔ حب دافع جریان و احتلام (عہ)۔ (۸) سرمہ [illegible] (عہ) سفوف [illegible] (۹) سرمہ خوشبودار [illegible] وغیرہ اگر آپ کسی مرض سے تنگ ہیں تو بہت فارم معائنہ مرض مفت منگا کر جس سے معلوم ہو جائیگا کہ مرض قابل علاج ہے یا نہیں اور یہ کہ کب تک ہو گی

المشتہر

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء قادری چشتی لاہور (موچی دروازہ)

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

کا ریویو

بر

ہندوستان کی اسلامی تاریخ مُصنفّہ مولوی کرم الٰہی صُوفی پر

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب السلام علیکم۔ میں نے آپکی کتاب اسلامی تاریخ عہد افغانیہ شروع سے لیکر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اسکی بہت قدر کرینگے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابل داد ہیں اور آپ کی قوت استدلال اور درایت تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاق تاریخ نویسی ابتک زندہ ہے اور اسی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جنکی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اخلاق فاضلہ کے بیش گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں۔ جو انکی قوم کے بالامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرا نشین تیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہانبانی تک پہنچکر اقوام قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیب جدید کے بانی بنگئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیئے) تو آپکی تصنیف اس مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے اور میں بحیثیت ایک مسلم ہونے کے آپکا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جسکو بالفاظ دیگر قومی خودداری کہنا چاہیئے۔ قومی زندگی کے لئے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپکی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپکو اس مقدس رسُول کی بارگاہ سے ملے جسکے کام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام

آپکا خادم محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا لاہور

نوٹ:۔ یہ کتاب مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی۔ ڈنگہ ضلع گجرات سے ۱۲ کو مل سکتی ہے۔

ح

شائقین علم و ادب اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھالیں

بتقریب جشن تاجپوشی

خاص رعائت

شہنشاہ معظم قیصر ہند دام ملکہ

مخزن کے گذشتہ پرچوں میں

صرف جنوری سنہ ۱۹۱۲ء تک

اکثر احباب مخزن کی گذشتہ جلدوں کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ اسٹاک میں شروع اجرا سے سنہ ۱۹۰۹ء تک کے مختلف پرچے بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ انکی کوئی جلد مکمل نہیں ہو سکتی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں دو پرچے جنوری اور فروری کے بالکل نہیں۔ باقی پرچے موجود ہیں۔ یہ قسم اول اور دوم دونوں کی جلدیں ہیں۔ قسم دوم کی بعض جلدیں مکمل بھی ہیں +

سنہ ۱۹۱۱ء کے پرچے تمام وکمال موجود ہیں۔ ہر دو قسم کے جو احباب ہم سے گذشتہ متفرق پرچے منگانا چاہیں۔ انکے ساتھ ہم یہ رعائت کرینگے کہ فیصدی ۵۰ کمیشن دینگے۔ یعنی ایک روپیہ کے ۸ ر لئے جائینگے۔ یہ رعائت ۱۵۔ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء سے آخر جنوری سنہ ۱۹۱۲ء تک دربار تاجپوشی ملک معظم دام ملکہٗ کی خوشی میں دیجاتی ہے

نوٹ:۔ مخزن سنہ ۱۹۱۰ء کے پرچہ ہائے جنوری و فروری۔ قسم اول اگر کوئی خریدار صاحب فروخت کرنا چاہیں تو براہ کرم مینیجر مخزن سے خط و کتابت کریں + سنہ ۱۹۰۹ء اور اس سے قبل کے سنین کے پرچوں کی بھی خریداری کی جاسکتی ہے۔ متفرق ہوں۔ یا مکمل جلدیں نیز مناسب کمیشن پر مخزن کی گذشتہ مکمل جلدوں کے بکوا دینے کا اہتمام ہو سکتا ہے +

المشتہر:۔ مینیجر مخزن لاہور۔

بچے کی تندرستی:۔ اپنے موضوع پر بہت مفید اور عمدہ باتصویر کتاب قیمت ۱۰ر

مینیجر مخزن لاہور۔

[illegible]

[illegible]

جس کی تحقیقات سے ... [illegible] ... ملک کے گوشے
سے قریب ... [illegible] ... حاصل ہو سکتی ہیں ... [illegible]
... چیزوں کی ... [illegible] ... ظاہر ہے کہ اس
آجتک کوئی کتاب اردو زبان میں نہیں لکھی گئی - شیخ عبدالقادر صاحب نے
جو خطوط ... [illegible] ... لکھے تھے جن کا ترجمہ مختلف اخبارات میں شائع ہوا
وہ محض اس ضخیم کتاب کا ضمیمہ ہے - اصل کتاب نئی نئی معلومات سے ... [illegible]
اور سلطان المعظم کے عالیشان ... [illegible] ... کی سچی تصویر ہے اور شیخ صاحب
نے اول تو اپنے مشہور طرز بیان کے جوہر اس کتاب میں اس خوبی سے
دکھائے ہیں کہ جس چیز کا حال لکھا ہے اسکا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے -
دوسرے یہ کہ قریب قریب ہر باب کے ساتھ ایک ہاف ٹون عکسی تصویر
دی گئی ہے ... [illegible] ... تصویروں کا ایک مرقع کتاب کے ساتھ مفت ... [illegible] ... ہے -
پھر حسن اہتمام ... [illegible] ... دیکھنے کے قابل ہے کاغذ اعلیٰ قسم کا چکنا
... [illegible] ... تصویریں نفیس آرٹ پیپر پر ... [illegible] ... اپنی جگہ
... [illegible] ... کی چھپائی ... [illegible] ... سنہری ... [illegible]
... [illegible] ... خوشرنگ انگریزی بیل ... [illegible] ... صفحات
... [illegible] ... سو سے زیادہ ... [illegible] ... قیمت ... [illegible]

منیجر مخزن ایجنسی لاہور سے طلب کیجیے

طب یونانی کی بقا کے

علاج حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب [illegible]

[illegible] صفات [illegible] مستقل [illegible]

[illegible] نہیں کی طرف [illegible] حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی نے [illegible]

وہ اس ہی کے خاندان سے وابستہ ہیں جناب حاذق الملک [illegible]

ترقی کے سامان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس اہم خدمت میں صرف

کرتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ کے احساس فرض کا ثبوت اور اس کی مستقل [illegible]

اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے لیکن اگر حقیقت شناس نگاہ سے

تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے۔ [illegible]

میں غرض سے یہ قائم ہوا ہے اس کے پورا ہونے میں کوئی خلاف احتمال باقی نہیں رہا

اجزاء سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور ان کی طرز ساخت میں تہذیب و ترقی کا دور

جسے یہ پورا کرتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے [illegible]

ہیں۔ بلکہ حکماء کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف رؤسا و امراء کو میسر آتے تھے۔ سب اس

دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں۔ اور واجبی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دی جاتی ہے

نیز جناب حاذق الملک [illegible] اپنے زندہ جاوید [illegible]

فرمائی [illegible] صحت و تندرستی ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]


دربار نمبر
پشاور
کشمیر
لاہور
دہلی
آگرہ
لکھنؤ
الہ آباد
پٹنہ
کراچی
کلکتہ
رنگون
بمبئی
حیدرآباد دکن
بنگلور
مدراس
مخزن
اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہواری مجموعہ
دہلی میں دربار شہنشاہی - عبد القادر ۔ ۱
شہنشاہ اور مسلمان رعایا - عبد القادر ۔ ۷
تہنیت تاجپوشی
مبارکباد جشن تاجپوشی
جشن تاجپوشی ملک معظم قیصر ہند دام اقبالہ



خاکِ پاکِ دہلی نے جسے مولینا حالی نے بجا طور پر "تختگاہِ شاہان"
کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ یُوں تو بیشمار دربار اور جشن دیکھے ہیں۔
مگر یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس سے پہلے کوئی جشن ایسا نہیں
ہوا۔ جو اُن تمام خصوصیات سے بھرا ہو جو ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء
کے روزِ مُبارک کے حصہ میں آئیں۔ عجب نہیں کہ یہ پُر معنی
جشن تاریخِ عالم میں یادگار رہ جائے۔ لیکن کم از کم تاریخِ ہندوستان
کے اوراق میں تو یہ دربار اور اس کے متعلق خوشی کے جلسے
جب تک ہندوستان اور تاریخ ہند قائم رہینگے۔ حروفِ
زرین میں چمکتے رہیں گے۔

اِس مضمون سے میرا مقصد دربار کی شان و شوکت اور دہلی
کی زیب و زینت۔ جلوس کے اہتمام اور خیموں ڈیروں کے اِنتظام کا
نقشہ کھینچنے کا نہیں۔ اوّل تو اخبار بین حضرات اِن حالات کی
تفصیل اخبارات میں روز دیکھتے رہے ہونگے۔ اور بہت سے خوش قسمت

لوگوں نے یہ دلفریب نظارے دہلی جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہونگے۔ دُوسرے اس دربار اور جشن کا مرقع کھینچنے کے لئے کم از کم مولیٰنا آزاد مرحوم کا قلمِ جادو رقم درکار ہے۔ کاش وُہ آج زندہ ہوتے اور اپنے وطن مالوف دہلی کے اُجڑے ہوئے گلشن میں پھر بہار آئی ہُوئی دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے دلاویز طرز بیان سے صفحۂ کاغذ پر گلکاری کرتے مگر پُرانی دہلی کے ساتھ دہلی کے دلدادہ سپوت بھی یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور جو باقیماندہ ہیں (خدا انہیں تادیر قائم رکھے) وُہ پا در رکاب بیٹھے ہیں۔ اور اس تازہ بہار کے دیکھنے والے بیشتر وُہ لوگ ہیں جنہیں دہلی سے زیادہ خصوصیت نہیں۔ تاہم وہ سب اس رونق اور چہل پہل کو خوش ہیں اور لاکھوں اشخاص جو اس مرتبہ دہلی کی سیر سے شاد ہوئے ہیں۔ دل سے شہنشاہ جارج پنجم کو دُعا دے رہے ہیں۔ جنکے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ہندوستان کے قدیم پایہ تخت کو یہ رونق نصیب ہُوئی۔

آج میرا مقصد فقط اسی قدر ہے کہ بعض اُن خصوصیات کا ذکر کروں جو اس دربار کو سابقہ درباروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور جن کے لحاظ سے وُہ دربار جو ۱۲۔ دسمبر کو بخیر و خوبی انجام ہوا۔ بالکل بےمثال و بےنظیر ہے۔

سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ دُنیا بھر کی تاریخ میں آج سے پہلے ایسی عالمگیر سلطنت کی مثال موجود نہیں جس سلطنت کا تاجدار مع اپنی ملکہ والاتبار کے اس مہینے میں مملکتِ ہند میں جلوہ افروز رہا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ اسے اس کی وسعت کے لحاظ سے برِاعظم کہیں تو روا ہے۔ اور اکثر کہا جاتا ہے کہ روس کو چھوڑ کر باقی سارا یورپ اس میں سما سکتا ہے۔ مگر اس وسعت پر شہنشاہ جارج پنجم کے ممالکِ محروسہ کا وُہ ایک حصّہ ہے۔ اور اس کے علاوہ دُنیا کے ہر برِ اعظم کے

نقشہ پر بڑے بڑے قطعے برطانیہ کے رنگ سے رنگے ہُوئے نظر آتے ہیں اور اُن سب پر انگلستان کا علَم۔ یونین جیک۔ لہرا رہا ہے۔ یونین جیک اسوقت لفظاً ومعناً اتفاق و اتحاد کا پھریرا۔ امن و آزادی کا جھنڈا اور فتح و نصرت کا نشان ہے۔ جہاں کہیں یہ پہنچتا ہے۔ امن و آزادی کی برکتیں صنعت و تجارت۔ اور ترقی دولت کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں۔ جنگل سرسبز اور ویرانے از سرِ نو آباد ہوتے ہیں۔ اور لوگ خوشحال ہو کر تاجِ برطانیہ کے منّت پذیر اور شکر گذار بنجاتے ہیں۔ عروج و اقبال کی انتہا ہے کہ یورپ کے اس چھوٹے سے جزیرے میں بیٹھے ہُوئے جسے انگلستان کہتے ہیں۔ وہاں کا فرمانروا اور اس کے وُزرا اطرافِ عالم پر حکومت کریں۔ اور سات سمندر پار اُن کا سکّہ اسی سہولت سے رواں ہو جیسا کہ خود پایۂ تخت لندن میں۔ اور یہ انتہائی اقبال خُدائے لایزال نے اسوقت برطانیہ اور شاہ برطانیہ قیصر ہند کو عطا کیا ہے۔ اور یہ وُہ اقبال ہے جو اس مبارک سال میں بہ نفسِ نفیس ہند اور اہلِ ہند کے سروں پر سایہ فگن ہُوا۔

دُوسری خصوصیّت یہ ہے کہ جہانتک تاریخ سے پتا چلتا ہے۔ شاید یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی تاجدار نے ایک مُلک سے دُوسرے مُلک میں آکر جس میں بحر و بر کے ہزاروں میل حائل ہوں۔ اس جاہ و حشم کے ساتھ جشنِ تاج پوشی منایا ہو۔ اور کم ازکم یہ تو مسلّم ہے کہ تاریخِ انگلستان میں یہ واقعہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ ہے اور ہندوستان کی تاریخ بھی باوجود اپنی گوناگونی کے اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شہنشاہ جارج پنجم کا یہ خاص احسان رعایائے ہند کو کبھی نہ بھُولے گا۔ کہ اُنھوں نے اور ملکہ معظّمہ نے ایسے دُور دراز سفر کی تکلیف صرف اِس لئے برداشت فرمائی کہ اہل انگلستان کو اور دیگر ممالکِ محروسہ برطانیہ کے اہالی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُنکی نگاہ میں مملکتِ ہند خاص وقعت رکھتی ہے۔ اور وُہ اسے اپنے عظیم الشان ورثہ کا

جو انہیں اپنی نیکدل دادی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی اور اپنے والد بزرگوار شہنشاہ اڈورڈ ہفتم سے ملا ہے۔ ایک اعلیٰ جزو سمجھتے ہیں۔ اِس الطافِ شاہانہ سے یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ وزرائے سلطنت شہنشاہ کی طرف سے باشارہ پاکر امورِ ہند کو محض ایک ضمیمہ امورِ سلطنت کا نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسی توجہ کرینگے جو اس کی اہمیّت کے شایانِ شان ہے۔ خاص کر یہ توقع بیجا نہیں کہ اس موقعہ پر وُزرا میں سے جنابِ وزیرِ ہند بہادر کا ہمرکاب ہونا غالباً ہندوستان کے لئے نہایت منفعت کا باعث ہوگا۔ اور ذاتی تجربے اور مشاہدے کے جو خزانے وُہ یہاں سے اِن چند دنوں میں بھی اپنے ساتھ لیجا ئینگے۔ وُہ آئندہ نظم و نسق سلطنتِ ہند میں اُنکے بہت کام آئینگے۔

تیسری خصوصیت جو قابلِ ذکر ہے وُہ یہ ہے کہ شہنشاہ کے سفر و حضر میں بیسویں صدی کی تازہ ترین ترقیاں سب کی سب ممد و معاون ہوئی ہیں اور اُن کے یہاں تشریف لانے کا ہر ایک مرحلہ سائنس کا ایک کرشمہ تھا اور دربار کے سین کا چھوٹے پیمانے پر مُلک کے ہر حصّہ میں دُہرایا جانا اس زمانے کے معجزوں میں سے ایک اعجاز تھا۔ جنگی جہازوں نے سمندر کے سفر میں شاہی جہاز کی پاسبانی کی۔ اور بے تار تار برقی نے جہاز پر خبر رسانی کی۔ جو لطیفے آج کل سائنس نے ممکن کر دکھائے ہیں۔ کسی زمانے میں معجزے سمجھے جاتے۔ جہاز سمندر میں جا رہا ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ سوائے پانی اور حدِ نگاہ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ شاہِ عالم پناہ جہاز پر سوار جا رہے ہیں اور خبر آتی ہے کہ "انگلستان میں حضور کے اقبال سے ہر طرح خیر و عافیت ہے"۔ یہ اس زمانہ کا اعجاز نہیں تو کیا ہے۔ راہ میں جو اظہار دبدبہ برطانیہ کے اثر کا جابجا ہوا ہے وُہ بھی غیر معمولی ہے۔ اٹلی اور ٹرکی کی لڑائی جہاں ہو رہی ہے اس راہ سے شہنشاہ

جارج پنجم کی بحری سواری گزری ہے۔ مگر اللہ رے اثر۔ کہ اہلِ اٹلی نے چند روز اپنے جنگی جہازوں کی حرکت موقعہ حرب کی طرف ملتوی کر دی کہ شاہِ جمجاہ کی سواری امن و آسائش سے گذر جائے۔ اٹلی اور ٹرکی آپس میں حریف ہیں مگر برطانیہ کی صلح پسندی اور حکمت دیکھئے۔ کہ برطانیہ کے دونوں دوست ہیں۔ سُلطان المعظم کا سب سے بڑا شہزادہ ٹرکی کی جانب سے تحفۂ سلام و پیام لیکر شہنشاہِ جارج پنجم سے مصر کے قریب ملتا ہی اور اِس تقریبِ سعید پر سلطان المعظم اور نیز اپنے ملک کی طرف سے شہنشاہ کو مُبارکباد دیتا ہے۔ یہ خیر مقدم جو جابجا چلا آیا ہے بمبئی آکر اُس کی حد ہو جاتی ہے۔ جس سرگرمی۔ جس جوش اور جس خلوص کے ساتھ رعایائے ہند نے بمبئی میں بہ سرکردگی حضور وائسرائے و گورنر جنرل کشورِ ہند اپنے بادشاہ اور ملکۂ معظمہ کو خوش آمدید کہا ہے۔ اِس کی خوشگوار یاد امید ہے کہ خود قیصرِ ہند و قیصرۂ ہند کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑ جائیگی اور پھر دہلی میں تو رعایا کی وفاداری کا جوش اور ریاستہائے ہند کے والیانِ ریاست کی صداقت اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ گئی۔ دہلی دربار کے موقعہ پر ہر شہر اور ہر قریہ میں جو جلسے ہوئے۔ اُن سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ انتظامِ برطانیہ کا تار و پُود مستحکم ہے اور اِس میں کہیں ایک تار بھی ٹوٹا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ ملک کے ہر حصے میں اور رعایا کے ہر طبقے میں گہرا جوش محبّت اور ارادت کا تاجِ برطانیہ و خاندانِ شاہی کے ساتھ ہے۔ جو صرف ایسے موقعہ کا منتظر تھا۔ ۱۲۔ دسمبر کی رات کے چراغان نے تمام قلمرو ہند کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ اور لوگوں نے اس قدر خوشی منائی کہ کسی کا یہ قول بالکل درست

معلوم ہوتا ہے کہ دن کو عید کا اور رات کو دیوالی کا سمان تھا۔ فقط اس تشبیہ میں یہ کمی رہ گئی۔ کہ عید کے دن فقط مسلمانوں میں چہل پہل ہوتی ہے۔ مگر اس عام عید کے دن ہندو مسلمان عیسائی سب یکساں اور یکجا خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دیوالی کی رات کو صرف ہندو چراغاں کرتے ہیں، اور ۱۲۔ دسمبر کی رات کو ہندو مسلمان عیسائی سب اپنے اپنے گھروں کو سجا کر منور کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے کئی تیوہار ایک تیوہار کے اندر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور جوشِ وفاداری کا سارے ملک میں ایک سیل امڈ آیا ہے۔ جس کی لہریں امید ہے کہ بغاوت و فساد کے خس و خاشاک کو بہالے جائینگی اور ملک کو فتنہ سے پاک کر دیں گی۔ اگر اس عالیشان دربار سے یہ نتیجہ مترتب ہوا۔ تو جو تکلیف ہمارے شہنشاہ نے فرمائی ہے اور جو مصارفِ کثیر اس تقریب پر ہوئے ہیں۔ سب کا صلہ مل جائے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور خدا شہنشاہ جارج پنجم اور انکی ملکہ معظمہ کو بایں ہمہ الطاف و کرم تا دیر سلامت رکھے۔

ایڈیٹر

شہنشاہ اور مسلمان رعایا

ہر چند کہ جشنِ و دربارِ تاجپوشی کی خوشی میں ہر قوم گرمجوشی سے شریک ہے مگر مسلمان رعایائے ہند کو جو خاص تعلقات تاجِ برطانیہ اور خاندانِ شاہی کے ساتھ ہیں۔ اُن کی بنا پر اگر وُہ اوروں سے کسی قدر زیادہ گرمجوشی دکھائیں تو وُہ حق بجانب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے ذمہ شکر واجب بھی زیادہ ہے۔ اُنکی حالت اس وقت ملک میں بلحاظِ تعداد و دولت نسبتاً کمزور ہے۔ اور وُہ بغیر گورنمنٹ کی خاص توجہ اور مہربانی کے ترقی نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رُبع صدی میں گورنمنٹ کی طرف سے کئی طرح کی توجہات اُن کے حال پر ہوتی رہیں۔ جن کی بدولت اُنہوں نے تعلیم میں اور اثر و اقتدار میں بہت سی کمی پوری کی اور بہت سی کھوئی ہُوئی چیزیں پھر پائیں۔ گورنمنٹ نے اُن کی امتیازی ہستی کی اہمیت کو تسلیم کر کے اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اُن کے حقوق کا اعتراف کیا۔ یہ سب اُمور اُن کے دلی تشکر کے مستحق ہیں۔ اُن کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے اور بارہا کہی جا چکی ہے۔ لیکن پھر دُہرائے جانے سے اسکی خوبی اور دلچسپی میں کچھ کمی نہیں آسکتی کہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ امن و آرام سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور یہ خاص تعلّق مسلمانوں اور انگریزوں کے اغراض کو ایک دُوسرے سے ایسا وابستہ کرتا ہے کہ ایک کی بھلائی

دُوسرے کی بھلائی سے مربُوط اور اُس پر منحصر ہو جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً گورنمنٹ انگریزی نے مُسلمانوں کے مذہبی خیالات کا لحاظ اس خوبی سے کیا ہے کہ مُسلمانوں کے دلوں کو اس سے تسخیر کر لیا ہے۔ اور یہ خاندانِ شاہی جس کے رُکنِ رکین اس وقت شہنشاہ جارج پنجم قیصرِ ہند ہیں۔ اس قسم کی تسخیر میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ چنانچہ مسلمان نہایت ہی صداقت سے اس ادا کے قائل ہیں کہ اس دربار کی تقریب پر بھی شہنشاہی پروگرام اور دربار کی تاریخیں اس لئے بدل کر پہلے کر دی گئیں۔ کہ اگر بڑے دنوں کی تعطیلوں میں دربار ہوگا تو ماہِ محرّم کا اور مُسلمانوں کے ایک کثیر حصّے میں شہیدانِ کربلا کی عزاداری کا آغاز ہو جائے گا۔ اِس تغیّرِ تاریخ سے جو کچھ ہرج ہوا یا جو سہولتیں بڑے دنوں میں ممکن تھیں وہ چھوڑنی پڑیں۔ جو تعطیل دربار کے لئے خاص دینی پڑی۔ ان سب کا احسان مسلمانوں پر ہے اور وہ دل سے اس عنایت اور توجہ کے معترف ہیں۔ اتّفاقاتِ حسنہ کو دیکھئے کہ جو جہاز شہنشاہ کی سواری کے لئے انتخاب ہوا۔ اس کا نام وہ نام ہے جو مسلمانوں کو دل سے عزیز ہے۔ یعنی مدینہ۔ اور جس دن شہنشاہ نے سرزمینِ ہندوستان پر قدم رکھا وہ عید کا دن ہوا۔ یہ علامات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیّت ایزدی شہنشاہ و برطانیہ اور انکی مسلمان رعایا کے باہمی رشتہ کو مضبوط کر رہی ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ یہ رشتہ روز بروز مضبوط ہوتا چلا جائے۔ کیونکہ اسکی مضبوطی میں دونوں طرف کا نفع ہے +

عبد القادر

مدینۃ السعادۃ

ذیل کا مضمون ۱۹۱۰ء کے ایک جلسہ میں جو "بزم اُردو" لاہور کا عام جلسہ تھا پڑھا گیا۔ چونکہ یہ ایک دلچسپ اخلاقی مضمون ہے۔ لہٰذا اس کو ناظرین مخزن کی نذر کرنا مناسب ہو گا (ایڈیٹر)

دن بھر دفتر کے کام اور رات کو بعض کتابوں کے مطالعہ سے تھکا ہوا دماغ آخر بارہ بجے آرام پر راغب ہوا۔ تکان نے بستر پہ لیٹتے ہی مدہوش بنا دیا۔ نیند آئی یا نہیں؛ مَیں اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ مَیں اس عالم سے باہر کسی اور جہان میں پہنچ گیا تھا۔

خبر نہیں خواب تھا۔ یا بیداری تھی۔ کیونکہ مجھ پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی۔ کوسوں کیا منزلوں تک کفِ دست چٹیل میدان تھا۔ اور میں اس میں رواں تھا۔ آدمی تو کیا چرند و پرند بلکہ درخت اور گھاس تک کا کسی طرف نام و نشان بھی نہ تھا۔ بس یہ حالت تھی ؎

پتے کو پتا نہ تھا شجر کا

عنقا تھا نام جانور کا

ریگستان کی ریگ ہوا کے جھونکوں سے اُڑ اُڑ کر یوں لہرا رہی تھی کہ گویا

بحرِ محیط کی شفاف اور ہموار سطح تموّج کے سبب درہم و برہم ہوگئی ہے۔ یا کسی صبیح و تمن بر محبوب کی چین آلود پیشانی ہے جو دلدادگانِ وفاطلب کو اُس دلربا کے جوشِ غضب سے ڈرا رہی ہے۔

مگر ایسے سُنسان بیابان اور ہُو کے مَیدان میں جہاں طائرِ اندیشہ بھی پر مارنے کی جرأت نہ کرسکے، اور سمندِ خیال وہاں پہنچکر تمام تیزیاں اور طراریاں بھول جائے۔ اگر کوئی بات مجھ وحشت زدہ کی تسکینِ خاطر کا سبب تھی تو وُہ یہ تھی کہ خدا کی مہربانی سے جلجلاتی ہوئی دوپہر کی دُھوپ نہ تھی۔ بلکہ شام کا سُہانا وقت تھا اور خوفِ غروب سے زرد شدہ سُورج۔ نہاں خانۂ مغرب میں روپوش ہونے کے لئے جلد جلد نیچے اُتر رہا تھا۔ اس کی پیلی پیلی کرنیں اپنا آخری لُطف خیز سُنہرا نُور ریت کے ذرّوں پر جگمگاہٹ طاری کرنے کی صوُرت میں نمایاں کر رہی تھیں۔ اِس تمام میدان میں آدمی تو کیا اُس کا یا کسی دُوسری چیز کا سایہ بھی بجز میرے اپنے سایہ کے نہ نظر آتا تھا۔ اور وُہ بھی یُوں کہ نقاشِ شعاع نے اس کی تصویر کشی کرتے ہُوئے غلطی کھا کر گویا مجھے ابوالبشر آدمؑ سمجھ لیا اور میرا طُول حد سے بڑھا کے مجھے عَین مَین ایک لاٹ بنا دیا تھا۔

مَیں شام کا وقت نزدیک پا کر ایک ایسے صحرا میں جس کا نہ اُور تھا نہ چھور۔ پریشان و حیران مارا مارا چلا جاتا تھا۔ اس کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں جاؤنگا اور کب منزل کا نشان پاؤنگا۔ کہ اسی اثنا میں آفتاب اپنے آرامگاہِ مغرب میں جا چھپا اور رات کا سیاہ پردہ اُس کے رُخِ انور پر لٹک پڑا ؎

چاروں اُور اندھیرا چھایا پنچھی لَوٹ بسیرے آیا
حال کہوں کیا دلِ مضطر کا دھوبی کا کُتا گھاٹ نہ گھر کا

منزل کا واں پتا کہاں تھا رات اندھیری ہُو کا سماں تھا
لغزشِ پاؤں میں قلب طپاں تھا سوجھتا کب بیٹا کا نشاں تھا
ظلمت وُہ کہ الٰہی توبہ توبہ توبہ توبہ توبہ

بس میری وہ حالت تھی کہ "تتا دُودھ نہ نگلنے کا نہ اُگلنے کا" جاؤں تو کدھر؛ اور رہُوں تو کہاں ؟ مَیں چشمِ عشاق کا وُہ قطرۂ اشک بنا تھا جسے سوزِ محبت باہر دھکیلے اور حیا آگا روک کر نکلنے سے مانع آئے۔ کچھ سُرت نہ تھی کہ کیا ہُوں اور کیسا ؟ پردۂ ظلمات کا رازِ مخفی ہُوں یا گہرے پانی میں تڑپتی ہُوئی مچھلی۔ جسے نہ خود اپنی خبر ہوتی ہے اور نہ کسی اَور کو اس کی۔ کبھی یہ خیال آتا کہ کسی کوئلہ کی تاریک کان میں چل رہا ہُوں۔ ہاتھ بڑھا کر سرنگوں کی دیواریں ٹٹولنے کا قصد کرتا۔ کہ کسی چٹان سے ٹکرا نہ جاؤں۔ مگر وہاں نامتناہی خَلار کے سوا کیا تھا۔ بہرحال قدم بڑھ اور ایک بیخودی کا نشہ سا چڑھ رہا تھا اور اُٹھتا گرتا چلا ہی جاتا تھا کہ یکا یک تاریکی کا پردہ پاش پاش ہونے لگا۔ نورِ سَحر چمکا اور مَیں نے اپنے تئیں ایک سر بفلک پہاڑ کی تلیٹھی میں پایا۔ پہاڑ کیا تھا ایک دیوار تھی جو فضائے آسمان کو بند کرلینے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ یا سقفِ آسمان کو ٹیک دیکر زمین پر گرنے سے بچا رہی تھی۔ یا ایک پُر شوکت و ہیبت بادشاہ تھا جس نے قرصِ آفتاب کا آتشیں تاج اور اس کی کرنوں کی زریں قبا پہن لی تھی۔

پُوچھئے نہیں کہ اُس وقت میری کیا کیفیت ہُوئی۔ میدانِ بلا کٹا تو اب اس کوہِ فلک شکوہ کی چڑھائی کا مرحلہ پیش آیا۔ پھر پہاڑ بھی کیسا جس پر چڑھنے کی آرزو سے آسمان پر صعُود کرنے کی تمنّا زیادہ سہل نظر آتی تھی۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ اس پر چڑھوں یا اپنی جگہ ہی پہ کھڑا رہوں۔ ناچار

تو بتقدیر ہو بیٹھا اور نظر دَوڑا کر ہر طرف نگراں ہوا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک چٹان اپنی بہنوں سے کچھ صاف وشفاف چکنی اور ہموار نظر آئی۔ تکان سر پر سوار تھا۔ اور عضو عضو بے قرار۔ چلکے اس پر پڑ رہا۔ اور بقول کسے ع یہ مثل سچ ہے کہ سُولی پر بھی آجاتی ہے نیند۔ فوراً خوابِ راحت سے ہم آغوش ہو گیا۔

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ میرا چھپر کھٹ یعنی وُہ چٹان ذرا ذرا سرکتی معلوم ہُوئی۔ ہلی ڈُلی۔ اور پھر بلند ہو کر اُڑن کھٹولا بنگئی۔ مَیں سمجھا کہ یہ کوئی رُوح ہے اور مجھے ملاءِ اعلیٰ پر لئے جاتی ہے لیکن آنکھ کھول کر دیکھتا ہُوں تو وُہ بستر جسے مَیں چٹان خیال کر رہا تھا۔ ایک پرندہ ہے جس کی ساخت عقاب سے ملتی جُلتی ہے۔ تو ڈیل ڈول گنبد نما گول مٹول ہے۔

یہ پرندہ مجھے اپنی پشت پر لئے اُڑتا ہُوا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور اس کو عبُور کر کے ہَوا سے اُترا۔ مَیں جھٹ پٹ اُس پر سے اُتر کے الگ ہو گیا۔ کیونکہ میری مشکل آسان ہو چکی تھی۔ اور اب اُمید کی دِل خوش کُن ٹھنڈک میرے دل کی لگی بجھانے میں اپنا جاں بخش اثر دکھا رہی تھی۔ پہاڑ کی چڑھائی جس پر جانا امکان کے دائرہ سے باہر تھا بلا منّتِ غیرے طے اور یہ کٹھن منزل بے مُوئی تی۔ مَیں پہاڑ کی دوسری تلیٹی میں پہنچ گیا تھا اور زندگی کی مسرت اور آبادی کی رونق کا منظر میرے پیشِ نگاہ تھا۔ دُور سے پانی کی روانی دکھاتی ہوئی جدولوں کے کنارے سبزہ نضارت افزائے نظر کی تحریریں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اُن کے بیچ بیچ میں پست و بلند مکانات اور عالیشان سربفلک محلوں کا جلوہ نظر آ کر میرے دل کو مسرور اور میری تکان کو دُور بنا رہا تھا۔ آبادی کی شکل کیا نظر آئی کہ دِل بے اختیار ہو کر اسی طرف

کھنچ چلا۔ جسم میں تازہ جان آگئی۔ قدم بڑھا۔ اور دوڑتا ہوا اس کی طرف چل نکلا۔ تھوڑی دیر میں ایک مزرعہ کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے وسط میں ایک عمارت تھی اور اس کے دروازہ پر ایک بزرگ سن رسیدہ آدمی کھڑا تھا۔ اس بزرگ کی صورت و مشابہت کے متعلق غالباً صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ہمارے زمانہ کے اوہام پرست منجمین کے نو تحقیقات باشندگان مریخ کا ہمشکل تھا۔ وہ میری شکل دیکھ کر ایسا گھبرایا جیسے انسان جن کو دیکھکر بوکھلا جاتا ہے۔ اور میرے دل میں اس کی ہیبت نے اس سے بھی زیادہ گھر کیا۔ لیکن عجائبات کی دید سے مانوس اور غرائبات عالم کے نظارہ سے مالوف ہونے کے باعث میں بہت جلد سنبھل گیا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس کے علاوہ گویا قدرتاً اس کی عجیب و غریب زبان بھی الہامی طریقہ سے مجھ کو معلوم ہوگئی اور میں نے اسی بولی میں اپنے انوکھے ملاقاتی سے بات کی۔ اُس نے کہا:-

"میں تو سمجھتا تھا کہ میرے اس شہر کے سوا دُنیا میں کوئی شہر نہیں ہے اور نہ ہمارے علاوہ کوئی اور انسان ہے"۔

پھر مجھے اپنے گھر میں لیجا کر بال بچوں سے ملایا۔ خوش ذائقہ کھانا کھلایا۔ آرام کے لئے نرم نرم بستر بچھا دیا۔ اب پھر شام ہوگئی تھی اور یہ میرے سفر کی دُوسری شب تھی۔ پہلی رات جس تکلیف و مصیبت سے کاٹی تھی اُس کا حال اوپر بیان ہوچکا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ دُوسری رات آرام و اطمینان کے خواب شیریں میں بسر ہوئی اور میں آرام سے سویا اور کوئی خوف و خطر پاس نہ پھٹکا۔

پردہ پوش عاشقاں کا دَور ختم ہوا۔ میں بھی شاہِ خاور کے ساتھ ہی بستر سے برآمد ہوا اور اپنے پاک سیرت و بزرگ میزبان خاندان کی نماز اور دُعا خوانی کی صدا سُنکر بیدار ہُوا۔

وُہ خشوع وخضوع کے ساتھ دُعا ومناجات میں معروف تھے۔ سب ایک صف میں استادہ تھے۔ پاکیزہ دُعائیں پڑھتے جاتے تھے۔ اپنے مصائب دفع، مشکلیں آسان اور حالت درست ہونے کی دُعا مانگتے تھے اور خداوندکریم سے اس کی امداد واعانت کے طلبگار رہتے تھے۔ یہ منظر میرے دل پر بیحد موثر ہوا۔ میں دل کے تقاضا سے مجبور ہوکر اُن کی طرف جذب اور اُنکی صف میں شامل ہوگیا اور خود بھی اُنہیں کی طرح دُعا وثنا اور عاجزی وزاری میں مشغول۔

مجھے سخت حیرت تھی کہ اس شہر میں نہ کوئی رسُول خدا سے پاک کا پیغام ہدایت لایا۔ نہ کوئی آسمانی کتاب اُتری۔ مگر یہاں کے آدمی ایسا صادق اور خالص ایمان رکھتے ہیں کہ دیدہ ہے نہ شنید۔ نماز ونیاز سے فراغت ہوتے ہی میں نے گھر کے مالک اور خاندان کے سردار سے دریافت کیا:-

"آپ کس کی عبادت کرتے اور کس سے دُعا مانگتے ہیں"؟

"اس کائنات کے خالق اور اس کے مُدبر کی"۔ میرے معزز میزبان نے فرمایا اور مجھ سے اور اُس سے یہ مکالمہ ہوا:-

میں "کیا تم نے اس خالق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی پایا ہے"؟

میزبان "بیشک! ہم نے اس کا جلوہ۔ اس کی قدرت کے آثار اور مصنوعات میں دیکھا ہے۔ وُہ ہم کو آسمان اور پانی میں نظر آیا ہے۔ گردش کرنے والے فلک، اور چلنے والے ستارے اس کے مظہر ہیں۔ حیوانات کے پیٹ میں پیدا ہونے والے بچے، اور نباتات کے بیجوں کا نشوونما اُس کا جلوہ گاہ ہے۔ ہم نے پروردگار برحق اور خالق مطلق کی ذات پاک کا مشاہدہ خود اپنی ذات، روح اور عقل کے آئنہ میں کیا ہے"۔

مَیں ۔ "مگر عبادت کرنے کی وجہ"۔

میزبان ۔ "اُس کی نعمتوں کی شکرگذاری ۔ کہ اُس نے ہم کو پیدا کیا ۔ اور پھر رزق پہنچایا ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دُوسرے کی کچھ بھی مدد کرتا ہے تو دوسرا اس کا شکریہ ادا کرنے میں سرگرم ہوتا ہے ۔ ایک لقمۂ غذا ۔ اور ایک گھونٹ پانی کے لئے بہت بہت شکر کرتا ہے ۔ جب معمولی سے احسان کا یہ بدلہ ہو تو محسنوں کے محسن اور منعموں کے صاحبِ توفیق بنانے والے کا شکر نہ ادا کرنا کیسی ناقابلِ عفو خطا اور کس قدر موجبِ شرم قصور ہے"۔

مَیں ۔ (اپنے دل میں) یہ شخص صدیق اور مخلص کا مرتبہ رکھتا ہے ۔ یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو بلا اُمیدِ ثواب اور بغیر خوفِ عذاب کے محض شوق سے قادرِ مطلق کی بندگی کرتے ہیں ۔

(میزبان سے مخاطب ہو کر) "آپ مَوت کے بعد کہاں جانے والے ہیں؟"

میزبان ۔ "دائمی نعمت ۔ یا المناک ہمیشہ کے عذاب میں"۔

مَیں ۔ "کیا آپ کی مُراد جنّت اور دوزخ ہے"؟

میزبان ۔ "مَیں آپکی یہ بات کچھ بھی نہیں سمجھا ۔ ہاں اتنا جانتا ہُوں کہ حکیم خُدا نیکوکار کو اس کے اعمالِ نیک کا اچھا بدلہ ضرور دیگا اور بدکار کو نیکوکار کے برابر بنا دینا اس کے عدل کو پسند نہیں ہو سکتا"۔

مَیں ۔ "نیکوکار کون ہے اور وُہ کب نیکوکار ہوتا ہے ۔ اور بدکار کو بدکار کیوں کہتے ہیں؟

میزبان ۔ "نیکوکاری نفع پہنچانے ۔ اچھا کام کرنے اور بنی نوع کے حقوق اور اپنے فرائض ادا کرنے کا نام ہے ۔ اور بدکاری شرارت اور ضرر رسانی کا نام ہے ۔ ہم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کچھ نقصان پہنچاتا یا اس کو تکلیف

سے بچانے میں قصور کرتا ہے وہی بد اور بدکار ہے۔"

اِس قدر گفتگو کے بعد میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کاش وہ علما اور مناظر جو معمولی اعمال کے اختلافی مسائل اور عقائد کی پیچیدہ باریکیوں کے درپے ہو کر اُن میں اپنا دماغ اور وقت رائگاں کرتے ہیں۔ کہیں اِن سادہ لوح آدمیوں کی طرح اسرارِ دین اور اس کی حکمت سے آگاہ ہوتے تو کیا خوب بات ہوتی۔ کیونکہ گو میرے سادہ دل میزبان گروہ کو جنت دوزخ کا فرق اور دین و چین کا امتیاز نہیں۔ مگر یہ دین کے اہم امر کی کُنجی اور اُس کا گُر اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔

اب ہماری گفتگو ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے میزبان سے خواہش کی کہ ذرا اپنے شہر کی سیر کرا دیجئے۔ وہ خوشی سے اُٹھا۔ مجھکو ساتھ لیا اور شہر میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شہر کے راستے اور گلیاں کشادہ اور خوش ترتیب ہیں۔ مکانات سب ایک دوسرے سے الگ الگ بنے ہیں۔ ہر ایک گھر کے ساتھ ایک تر و تازہ پُر فضا خانہ باغ ہے۔ جس کے درخت بادِ صبا کے جھونکوں سے ہل کر جھوم رہے ہیں۔ اور مرغانِ نواسنج اپنے چہچہوں سے ارغنون نوازی میں مصروف ہیں۔ شہر کے رہنے والے مرد اور عورت۔ بڑے اور چھوٹے سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول اور جد و جہد کے پیچھے پڑے ہیں۔ اُن میں کسی سائل فقیر کا وجود نہیں اور کوئی کاہل الوجود اُن کے اندر موجود نہیں۔ جسے بیکاری سے سروکار اور انگڑائیاں لینے کا انتظار ہو۔

سب سے بڑھکر عجیب اور متحیر بنا دینے والی بات اس شہر میں یہ نظر آئی کہ یہاں وہ باہمی امتیاز نام کو بھی نہیں جو ہمارے ملک میں بنی نوع بشر

کے اندر پایا جاتا ہے۔ کہ کسی کو خوشحال اور کسی کو بد حال دیکھا جاتا ہے لیکن یہاں سب آدمی ایک ساں حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ گھر، سواری، لباس، سامان خانہ داری، اسباب زندگی، اور دولتمندی میں سب کا درجہ بالکل برابر ہے۔ کہیں کوئی فرق نہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور مَیں نے اپنے عمر رسیدہ میزبان سے سوال کر ہی دیا:۔

"کیوں جناب! کیا آپ کے یہاں دولتمند اور فقیر۔ آقا اور ماتحت کا کوئی فرق نہیں"؟

میزبان:۔ "نہیں صاحب! ہم میں سے ہر شخص کو ایک گھر رہنے سہنے کے لئے۔ ایک مختصر کھیت روزی کا ذریعہ حاصل کرنے کے واسطے۔ اور ایک چارپایہ باربرداری کے کام کا بہت ہے۔ اس کے سوا وہ کچھ غرض نہیں رکھتا اور اسی سبب سے ہم میں آقا اور غلام، یا دولتمند اور فقیر، کوئی نہیں ہوتا"۔

مَیں:۔ "گو یہ عجیب بات ہے مگر امکان سے باہر نہیں۔ لہٰذا اسکو مانے لیتا ہوں لیکن کیا آپ کے شہر میں کوئی بیکار کام نہ کرنے کے قابل اور سست و کاہل آدمی بھی نہیں"؟

میزبان:۔ "سست و کاہل آدمی کا ہمارے یہاں نام ہی نہ لیجئے۔ ایسا آدمی ہمارے ساتھ کیونکر رہ سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمیں اُس پر مطلق رحم نہ آئے گا۔ ہم اس کی اس لغزش کو کبھی معاف نہ کرینگے۔ کہ عقل اور قوت کی ایسی خداداد نعمتوں کی۔ انہیں کام میں نہ لانے کے ذریعہ سے سخت ناقدری کرتا ہے۔

"باقی رہا ناکارہ اور مجبور۔ ہم اُس کی مدد کرتے اور اس سے اچھی طرح پیش آتے ہیں اور اس برتاؤ کو اپنے لیے کچھ فخر کا سبب نہیں مانتے۔ کیونکہ

ہم اُس کو اپنی اُس قوت کا صرف بہت تھوڑا سا حصہ دیتے ہیں جو خداوند کریم نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے مرحمت فرمائی ہے اور ہمارے نزدیک عاجزوں کی دلدہی اور مصیبت زدوں پر مہربانی کرنے سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں"۔

ابھی ہمارے مابین یہ بات ہو رہی تھی کہ دُور سے ایک عظیم الشان اور شہر کی دیگر عمارتوں میں ممتاز عمارت نظر آئی۔ یہ عمارت خوبی تعمیر اور خوشنمائی میں سب اور مکانات پر فائق تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میری زبان سے نکلا۔ "کیا میں اس وقت بادشاہ کا محل دیکھ رہا ہوں"۔

میزبان نے کہا نہیں۔ مگر یہ ایک شریر اور لالچی شخص کا مکان ہے۔ اُس نے ارادۂ الٰہی و حکمت ایزدی کے خلاف خدا کے بندوں کی زمینیں اور ان کے مال کو ظالمانہ چھین کر اپنی دولت بڑھانے اور سب کو دبانے کا قصد کیا۔ لہٰذا اُس پر قہار مطلق کا غضب نازل ہوا اور ابھی وہ عیش و آرام کا کچھ مزہ بھی چکھنے نہ پایا تھا کہ عذاب ایزدی نے اس کی دولت و ثروت کو زوال کے آسیب سے کیفر کردار بنا دیا۔ اور وہ اپنی بدکرداریوں اور نفس پرستیوں کے بد نتائج کا شکار اور طرح طرح کے موذی امراض میں گرفتار ہو رہا ہے۔ اب نہ یہ محل اُس کو اذیت عقاب سے بچاتا ہے۔ اور نہ روپیہ اُس کے آڑے آتا ہے۔ لوگ اُس کے سقیم حال سے عبرت پکڑتے اور خود ویسی حرکت کے ارتکاب سے بچنے کا سبق لیتے ہیں۔

میری نظر میں اپنے معزز میزبان کی وقعت اب بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔ میں اُن کے شریف خیالات اور اعلیٰ اخلاق پر دل ہی دل میں خوش

ہو رہا تھا ۔ اور خیال کرتا تھا کہ ہمارے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کے مدارس جن میں بہت ہی باقاعدہ اخلاقی تعلیم ہوتی ہے اور حکمت و اخلاق کی پڑھائی رکھی جاتی ہے ۔ ہرگز ایسے آدمی نہیں تیار کر سکتے جو ان عجیب و غریب انسانوں کے اخلاق اور فضائل کا مقابلہ کر سکیں ۔ مجھے خواہش پیدا ہوئی کہ اس شہر کے طریقۂ تعلیم کا علم حاصل کروں ۔ میں نے اپنے بزرگ دوست سے کہا ۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں کا کوئی مدرسہ بھی دیکھوں" ۔

میزبان ۔ (میرے سوال سے حیران ہو کر) "مدرسہ کیا چیز ہے" ؟

میں ۔ (اس کی حیرت سے بھی بڑھ کر متحیر ہو کر) جناب! مدرسہ ایک مکان ہوتا ہے ۔ اس میں چھوٹے بچے پڑھتے اور بڑی عمر کے آدمی ان کو پڑھانے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں" ۔

میزبان ۔ "اور وہ بچے بڑوں سے کیا سیکھتے ہیں" ؟

میں ۔ اپنی حالت سنوارنے کی تدبیریں اور معاش و معاد میں کام آنے والی باتیں ۔

میزبان ۔ ہمارے اس طرح کے شہر میں ایسے مقام کی کیا حاجت ہے ۔ ہم سے بڑھ کر بیٹوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور کس کو آتا ہے ۔ ہم خود ان کو تعلیم دیتے ہیں ۔ تہذیبِ نفس اور مفید کاموں کے اصول پر ان کی تربیت کرتے ہیں ۔ ہمارے یہاں کے مدرسے ۔ دستکاریوں کے کارخانے اور کھیتی باڑی کے مزرعے ہیں ۔ انہی مقامات میں ہم اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں کہ تخم پاشی کا کیا طریقہ ہے ۔ پھر انکو اگانے کی کیا ترکیب ہے ۔ آلاتِ زراعت کس طرح بنائے اور کیونکر کام میں لائے جاتے ہیں ۔ یہاں ... مکانوں کی تعمیر ، کپڑوں کا بننا اور سینا ۔

غرضیکہ ہمارے ضروری کام نکال دیتے ہیں۔ اور ہم عمل کے سوا کسی علم کو نہیں جانتے۔ اور کام وہ جو ہماری زندگی قائم رکھنے میں مددگار اور خدا پاک کی عبادت کرنے کے لئے ہمارے معاون ہو سکتے ہیں "

میں :- اور کیا آپ کا کوئی حاکم نہیں جو حکومت اور انتظام سلطنت کرتا ہو؟-

میزبان "ہمارا ایک سرپنچ ہے۔ حاکم کوئی نہیں۔ یہ سرپنچ ایسا آدمی ہے کہ ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس کی رائے کی پختگی کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اسی کو ہم نے ان جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کے لئے منتخب کیا ہے جو اتفاق سے ہمارے بعض افراد کے مابین غلط فہمی یا اختلاف رائے کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں "

میں - کیا اس کی کوئی فوج بھی نہیں جو اس کی حکومت کو مستحکم بنائے اور اس کے احکام جاری کرے "؟

میزبان "- ہم میں سے ہر شخص اس کی فوج کا سپاہی اور اس کے محکمہ پولیس کا ملازم ہے۔ جو آدمی اس سرپنچ سے سرتابی کرتا۔ یا اس کی بات پر معترض بنتا ہے۔ ہم اس کو سزا دیدیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے اس سرپنچ پر پورا بھروسہ ہے۔ اور یہی کافی ہے "۔

میں "کیا اس کا کوئی زندان خانہ بھی نہیں جس میں مجرم قید کئے جاتے ہوں"؟

میزبان "- نہیں۔ ہمارے یہاں اول تو مجرم ہی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اور ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ تمام شہر کے آدمی اسکو نظروں سے گرا دیتے ہیں۔ اور ہر طرف سے اس کی بے وقعتی ہو جاتی ہے۔ کوئی اسکو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس سے بات تک نہیں کی جاتی۔ اور ہم میں سے ہر شخص نسبت ایسی ذلیل اور شرمناک زندگی کے اس بات کو بہت

زیادہ پسند کرے گا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے یا آسمان اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُف! قوم میں نہ ڈھونڈ ہر طرف سے تُو تُو مَیں مَیں پھوٹ پھٹ کی صدا اُٹھتا۔ ایسی زندگی سے تو موت ہزار درجہ افضل ہے۔"

ہم اپنی گفتگو اس درجہ تک پہنچا چکے تھے کہ شہر کی سیر سے بھی فراغت ہو گئی اور پھر ہم اسی گھر میں آ گئے جہاں سے سیر کے لئے نکلے تھے۔ گھر کے مکینوں نے خندہ پیشانی اور مرحبا کہنے کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ اور اپنے بزرگ سردارِ خاندان سے بغلگیر ہوئے۔

سچ تو یہ ہے کہ دُنیا کے تمام شہروں اور دیہات میں مجھے تو ایک گھرانا بھی اس خاندان سے بڑھ کر خوش نصیب بے فکر، مطمئن، اور ہشاش بشاش نظر نہیں آیا ہے کہ بھائی باہم اُلفت و صفائی رکھتے ہیں اور میاں بی بی سچی محبت اور یکجہتی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی شہر "مدینۃ السعادۃ" یا خوشحالی کی بستی ہے۔ مَیں نے اسکو دیکھا تو اس کا ایسا گرویدہ ہوا کہ یہیں کی زندگی بھا گئی اور دل میں ٹھان لی کہ اب اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤنگا۔ مگر "سائیں کے کھیل نیارے" اور اُس کی قدرت کے راز نامعلوم ہیں۔ اگرچہ میرا اس شہر سے نکلنے کا ارادہ نہ تھا لیکن سنتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بدل نہیں سکتی۔ میرا وہاں رہنا مقدور نہ تھا۔ اور خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ رات آئی اور مَیں اپنے عمر رسیدہ میزبان کے گھر میں بسترِ استراحت پر دراز ہو کر سو گیا۔ مَیں کیا سویا میرا نصیب سو گیا اور مجھکو دونوں جہان سے کھو گیا۔ آہ۔ کیا کہوں حسرت آتی ہے اور زبان یاری نہیں کرتی۔ دل بیٹھا اور قلم کا سینہ شق ہوا جاتا ہے

مگر نہیں۔ مجھ کو کہنا اور افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ اس خوابِ شیریں سے بیدار ہو کر میں نے اپنے آپ کو خاص اپنے گھر اور بستر میں پڑا پایا۔ نہ وہ میدانِ وحشت نشان تھا۔ نہ کوہ فلک شکوہ نہ مزرعہ تھا۔ اور نہ وہ خوش نصیب گروہ مدینۃ السعادۃ کی ہستی خواب و خیال سے زیادہ نہ تھی۔ اور اب اس کی جگہ بدبختی سے بھری ہوئی زندگی اور سوسائٹی کی مصیبت مجھے پیس ڈالنے کے لئے آمادہ تھی حیف! صد حیف!! میں یہ شعر پڑھتا ہوا بستر سے اٹھا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

طبیعت پر غم کا بار حد سے سوا ہوا۔ اور دل گھبرایا۔ تو خیال آیا کہ لاؤ اس عجیب خواب کا نصیحت آمیز حال حاضرینِ بزمِ اردو کا آویزۂ گوش اور ناظرینِ مخزن کا مسرحِ نظر بنا دوں۔ ممکن ہے کہ کوئی سعید دل اس کی منزل بنجائے۔ اور وہ بھی میری طرح مَدِیْنَۃُ السَّعَادَۃ کا مشتاق بنے۔ کیونکہ اگر بہت سے دل ایسی ہی خواہش سے لبریز ہوں تو ہم اس شقاوت و بدبختی کے دیار کو بھی اُن کی ہمتِ مردانہ کے وسیلہ سے "مدینۃ السعادۃ" کا نمونہ بنا سکتے۔ اور ویسی ہی پُر لطف زندگی کا حظ اُٹھا سکتے ہیں۔

خالقِ ظلمت و نور۔ اور مقلبُ الامور کی توفیق کا رفیق ہونا شرط ہے۔ یہ جہل و بداخلاقی کی تاریکی اُس کے ایک لمعۂ فیض کی چمک سے کافور ہو جائیگی اور علم و اخلاق کی ضیا بارِ شمع افرادِ قوم کے کاشانۂ قلوب کو منور بنائیگی۔ اور یہی حالت ہمارے "مدینۃ الشقاوت" کو مدینۃ السعادت کی شکل میں بدل دیگی۔

محمد حلیم انصاری ۔ ردولوی

روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر

مارچ لغایت جولائی کے روزنامچہ میں کیمبرج لکچروں اور معمولی دوستوں سے ملنے جلنے کا ذکر ہے اس میں سے چند تاریخوں کا روزنامچہ بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

۱۲ مئی ۱۸۹۸ء | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ سہ پہر کو چند دوستوں کے ہمراہ ٹینس کھیلا شروع سے مطلع صاف تھا لیکن بعد ازاں طوفان آگیا۔ چونکہ ہم کافی ورزش کر چکے تھے اسلئے کالج میں واپس آئے۔ جونہی ہم کالج میں داخل ہوئے بڑے زور سے بارش ہونے لگی۔ شام کے کھانیکے بعد ہم شپلی[51] کے ہمراہ کافی پینے گئے۔

۱۳ مئی ۱۸۹۸ء | حسب معمول کام کیا۔ کڈ[52] کو ٹینس کھیلنے بلایا۔ ڈنر کے بعد یونین کے مباحثے میں گئے۔ اسپیچیں معمولی درجہ کی تھیں اسلئے دس بجے سے قبل کالج واپس آیا۔ ہندوستان سے ڈاک موصول ہوئی گھر پر سب بخیریت ہیں۔ گرسٹنبرگ[53] کو آئندہ پنجشنبہ ٹینس کھیلنے بلایا ہے۔

۸۔ جولائی | والد ماجد کی ۱۴۔ جون کی لکھی ہوئی والا نامہ سے معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک شب میں چار چار زلزلہ آیا۔

۱۵۔ جولائی | تمام دن کام کرتا رہا۔ سہ پہر کو مس موریس[54] گرٹن کالج میں مل گیا۔ انہوں نے ازراہ مہربانی مجھے تمام کالج کی سیر کرائی۔ یہاں چند نئے کمرے تعمیر ہو رہے ہیں۔ کالج بہت خوبصورت ہے۔ اس کے برآمدے مجھے بہت پسند آئے۔ ورزش کرنیکے لئے یہ بہت اچھا مقام ہے۔ صرف یہ کہ بارش کے دنوں میں مطالعہ کرنیوالوں کو ضرور برآمدوں میں کھیلنے والوں کے غل و شور سے تکلیف ہوتی ہوگی۔

---

[51] یہ صاحب یعنی Dr. A. E. Shipley اب معزز عہدہ "ماسٹر" یعنی صدر معظم کرائسٹ کالج پر ممتاز ہیں Master Christs College.

[52] Mr. Kydd جنہوں نے ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا۔

[53] Mr. Gerstenberg جو ایک امیر یہودی خاندان سے تھے اور جو فوجی نوکری میں ...

[54] Miss Morris جو Girton College میں تھیں۔ ان کے والد لندن کے مشہور ساہوکار تھے جن کا مکان Park Lane, London میں تھا جو امیروں کے رہنے کا مقام ہے۔ ان کی بہن Mrs. Mc Lachlan ...

۹ - اگست ۱۸۸۸ء شنبہ | صبح اٹھا اور ۸ - بجے ۱۵ منٹ والی ٹرین سے لندن روانہ ہوا - اپنے ایجنٹ ہنری اس کنگ کی پاس سے روپیہ وصول کرنے اور ہنڈی کا بل ادا کرنے گیا - ۱۲ - بجے سے ۲ بجے تک اپنے استاد موزلی صاحب[1] کے ہمراہ گاڑی میں پھرتا رہا - کلب گیا جہاں سے بوس[2] اور ننز برادران[3] کو لنچ کی دعوت دی تھی - ناخدا محمد علی روگھی صاحب ٹنیس بمبئی کے گروپ میں شریک ہوا - ہمیں ۲۳ مسلمان طالب علم شریک ہیں - سوا پانچ بجے والی ریل گاڑی نہ ملی - اسلئے ساڑھے سات والی ٹرین پر سٹیشن کنگز کروس[4] سے سوار ہو کر کیمبرج واپس آیا - ۹ بجے ۲۰ منٹ پر کیمبرج پہنچا اور ساڑھے نو بجے مسٹر اسکر براوننگ[5] - فیلو کنگز کالج کیمبرج کے کمرہ میں داخل ہوا - جہاں سائیکیکل ریسرچ سوسائٹی[6] کا جلسہ تھا - میڈم بلیوٹسکی[7] صدرنشین تھیں - یہ بولتی بہت ہیں - پروفیسر ہنری سجوک[8] صاحب نے ان سے بہت سے سوالات کئے - مجھے تو اس سے کچھ نفع نہ پہنچا - میڈم بی کا مجھ پر کچھ اچھا نقش نہ بیٹھا -

---

[1] Mr. H. N. Mozeley, Barrister-at-Low.
[2] Now Dr J. C. Bose, Prof. A Science, Presion Calcutta.
[3] Thomas, Mr Hancock Nunn & Mr Harold Nunn
[4] King's Cross.
[5] Mr Oscar Browning, now, Principal Training College.
[6] Psychical Research Society.
[7] Madam Blavatsky.
[8] Professor Dr Henry Sidgwick.

[illegible]

[illegible] سکریٹری ہے مگر [illegible] کے غریب [illegible] مصروف کر رہے تھے

کی [illegible] کرالی - اب میں شہر لندن میں قیام کرتا ہوں - تاکہ انگلستان میں

اپنے عزم کی تکمیل کر سکوں -

[illegible] گفت تو میرا ارادہ [illegible]

[illegible]

[illegible] Street Station

[illegible]

پروفیسر موصوف کی موت کا واقعہ افسوسناک تھا اور جنازہ کے ساتھ علما اور غیر علما کا اس قدر مجمع تھا کہ آمد کسی کے واسطے نہیں ہو سکتا تھا۔ لندن سے ایک مختصر جماعت اہلِ ہند کی بارلیکر اور کچھ لوگ کیمبرج کے بھی آ گئے تھے

دسمبر ۱۸۸۶ء	اس وقت تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو انڈین بار کے

لئے جانا پڑے گا اور کامیابی کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن میرا منشا بیرسٹری کی زندگی بسر کرنے کا نہیں ہے۔ میرا مقصود دو چیزیں ہیں ایک تو تصنیف اور دُوسری پولیٹکل زندگی (سیاست) ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی میں ایک یا دونوں مقاصد پر فائز ہو جاؤں۔ اس لئے مجھے اُس وقت تک صبر سے کام لینا چاہیئے +

غزل

گورے ہاتھوں کو ترے ہم یدِ بیضا سمجھے — پیارے پیارے لبِ جاں بخش کو عیسیٰ سمجھے
کس توقع پہ بھرو دید مُبغ دنیا کا سوال — ڈر ہے اسکو بھی نہ وُہ خواہشِ بیجا سمجھے
ضبط کرتا جو میں نالہ کو تو دم پہ بنتی — ناصحا تو میرے رونے کی غرض کیا سمجھے
ایسے کافر سے مجھے رحم کی اُمید ہو کیا — جو مرے ذکرِ قیامت کا بھی سودا سمجھے
جانِ جاں کہہ کے اُسے نقلِ سخن کرتا ہے! — ہم نے قاصد تری گفتار کو جانا سمجھے
کرکے بسمل ہے تردد کہ نکل جائے نہ جاں — اسکو بھی کیا وُہ مرے دل کی تمنا سمجھے

چومتے چومتے گھس ڈالا ہی عابد نے اسے
آستانے کو بتِ شوخ کے تم کیا سمجھے

Indian Bar.

ابن عربی

نام محمد محی الدین لقب سنہ ۵۶۰ھ سترھویں رمضان شریف یوم دوشنبہ کو شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد صادق شہابان مناقب غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ پہلے محی الدین کے والد بزرگوار علی بن محمد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ انکو اولاد کی بہت تمنا تھی۔ جب ان کا سن پچاس برس کا ہوا تو اولاد سے ناامید ہوگئے۔ پھر بھی ایک سچے مومن کی طرح خدائے تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوکر شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس گئے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ حق تعالیٰ نے انکو الہام کے ذریعہ سے آگاہ کیا کہ بڑھاپے میں اولاد ہونا غیر ممکن ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص انکو اپنی اولاد ہبہ کردے تو ممکن ہے۔ جس پر شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میرے صلب میں ایک لڑکا ہے۔ اس کو میں نے تمہیں دیا۔ وہ اب تمہارے حصہ کا ہوگیا اور تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم اس لڑکے کا نام محمد رکھنا۔ اور میں نے اسے اپنا لقب بھی عطا کیا۔ انشاء اللہ وہ اس امت محمدیہ میں نہایت جلیل القدر ولی ہوگا۔ علی بن محمد حضرت سے رخصت ہوکر مکان پر پہنچے۔ اسی شب کو انکی بی بی حاملہ ہوئیں۔ بعد نو ماہ کے ان کے ہاں محمد ابن عربی پیدا ہوئے۔ علی بن محمد انکو لیکر حضرت کے پاس گئے۔ حضرت نے انکو گود میں لیا۔ اور دینی و دنیوی دعاؤں سے انکو مالا مال کیا۔ تاریخ ولادت انکی یہ ہے:۔

محی الدین پیر زندہ دل والا ہادی سالکان اہل زمین

ہست سالِ ولادتش نعمت   صاحبِ کشف مہدی ہست ہمیں

بعض نے انکی تاریخ ولادت یوں لکھی ہے ؎

شیخ والاجناب بن عربی   مقتدائے روحِ خدا الطلبی

شیخ اکبر ز عارفاں بودہ   در تن روزگار جاں بودہ

جامع نسخۂ فتوحات ہست   صاحبِ خرقہ وکمالات است

ہفتدہم بود از مہِ رمضاں   کہ در آفاق شد چو خورتاباں

بود ثانی سشرِ محی الدیں

سالِ مولودِ او ز ثانی ہیں

اس تاریخ سے ایک سال کا فرق ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ جمہور کے خلاف ہے۔ شیخ محی الدینؒ ابن عربی علومِ ظاہری اور باطنی میں یگانہ دہر تھے۔ بعدِ فراغت شروع شروع آپکو علمِ حدیث اور تفسیر کا شوق پیدا ہوا۔ اور زیادہ تر اسی کا مشغلہ رہا۔ جس کام کو آپ شروع کرتے تھے اس کو انتہائے کمال کو پہنچانا آپ کا فرض تھا۔ بغداد کے ایک شیخ صاحب نے آپ کے حالات منضبط کئے ہیں۔ اس میں آپ کی تصانیف پانچسو سے زیادہ لکھی ہیں۔ قرآن مجید کی آپ نے چند تفسیریں مختلف طریقوں پر لکھی ہیں۔ جس میں ایک صرف ۱۶ پارہ کی ہے اور ۹۵ جلدوں میں ختم ہوئی تھی۔ ایک مختصر تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ جس میں اختصار اور عام محققین کا اسلوب مدِنظر رکھا گیا ہے۔ ایک تفسیر آپ کی تصوّف کے ڈھنگ پر ہے۔ حدیث شریف میں بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ امام مالکؒ کے مذہب کے پیرو تھے اور انہیں کے نقشِ قدم پہ چلنے کی کوشش کی۔ آپ شریعت کے جس قدر پابند تھے وہ آپ کی

کتاب فصوص الحکم کے خطبہ کی اس عبارت سے جس میں آپ نے اس خیال کی تائید کی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں: "اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ قُیِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِیِّ فَتَقَیَّدَ وَقَیَّدَ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ کَمَا جَعَلَنَا فِیْ اُمَّتِہٖ" مجھے خدا سے اُمید ہے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کرے گا جو شرع محمدی کے پابند کیے گئے۔ پس خود بھی اس کے پابند ہوئے اور دوسروں کو اس کا پابند بنایا۔ اور میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ میرا حشر بھی انہیں کے زمرہ میں کرے گا جیسا مجھے اُن کی اُمت میں ہونے کا فخر عطا کیا۔ عبدالوہاب شعرانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ صاحب کہا کرتے تھے کہ جس کسی نے ایک لحظہ کے لئے شریعت سے باہر قدم رکھا وہ ہلاک ہوا جس کسی کے عقیدہ کا یہ حال اور پابندیٔ شریعت کا یہ لحاظ ہو۔ اس پر ایسی بے بنیاد من گھڑت باتیں انکی طرف منسوب کرنا اور لوگوں کو اُنکی طرف سے بدظن کرنا کس قدر بدتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے راستہ میں سرسری ملاقات ہوئی۔ یہی پہلی ملاقات تھی۔ اور بات چیت کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر دونوں کے دلوں کی کشش اور صفائی قلوب نے ایک دُوسرے کے حالات سے باہم آگاہ کر دیا۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لوگوں نے ابن عربی کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ علم حقائق کے دریا ذخار ہیں۔ ان کا علم و فضل ان کے بشرہ سے ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

قائلین وحدت الوجود کے آپ امام اور مقتدا ہیں۔ فقیہوں کی تھوڑی جماعت اور صوفیوں کا بہت بڑا گروہ آپ کا معتقد اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

اور علمائے ظاہری ان کے سخت مخالف ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ لوگوں نے آپ کے خرقِ عادات اور کرامات کا بھی بہت بڑا ذخیرہ بتلایا ہے۔ مشائخ صوفیہ انکو امام الموحدین قرار دیتے ہیں۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ملک مغرب کا بادشاہ شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ ایک روز شیخ کو یک بیک خیال آیا اور خدا کی محبت دل میں پیدا ہوئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کسی جنگل کیطرف چلے گئے۔ اور مدتوں ایک غار میں رہکر عبادت کرتے رہے۔ جب آپ وہاں سے نکل کر پلٹے تو آپ کا سینہ علومِ ظاہری اور باطنی سے معمور تھا۔ اور جدھر آپ تشریف لیجاتے تھے وہاں انکے علوم کی روشنی پھیلکر لوگوں کے سینوں کو منوّر بناتی تھی۔ جنگل سے واپسی کے بعد آپ نے سیاحت کو پسند کیا اور آپ اس کے ذریعہ ہر شہر میں قیام کرتے ہوئے اپنی تصانیف سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ اور وہاں سے روانگی کے وقت اُس کو وہیں چھوڑ دیتے تھے۔ فتوحاتِ مکیہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حلب کے رہنے والے تھے اور زیادہ تر قرطبہ[1] میں رہے اور وہیں انکو انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام سے علمی استفادہ حاصل کیا۔ "شیخ مجدالدین فیروزآبادی لکھتے ہیں کہ میری نظر میں کوئی شخص محی الدین ابن عربی کے مبلغ علم کو نہیں پہنچا۔ لوگ اِن کی تصانیف لکھوانے اور تلاش کرنے میں سینکڑوں روپیہ خرچ کرتے تھے"۔ ان کے مخالفین دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو بالکل ظاہر بین ہیں اور اِن کے کلام کو مطلق نہیں سمجھتے۔ یا سمجھتے ہیں تو غلط معنوں میں۔ وہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور اِن کے اقوال کے مخالف ہیں۔ دوسرا

---

[1] پایۂ تخت اندلس۔

یہ فرقہ ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ یہ حاسدوں کا گروہ ہے جسکو ہمیشہ نیک و بزرگ اور اُن لوگوں سے جو اُس زمانہ کے ممتاز تھے عداوت رہی اور اُن کا یہ کام تھا کہ جھوٹی اور لغو باتیں لکھکر یا کہکر اُن کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ عام رجحان ادھر سے جاتا رہے اور لوگ بدظن اور مخالف ہو جائیں۔ جیسا عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ حُسّاد نے فتوحات مکیہ میں بہت سی جعلی اور جھوٹی باتیں بنا کر محض رشک و حسد سے لکھدی ہیں۔ جب میں ابو طاہر مغربی سے مکہ میں ملا تو انہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ فتوحاتِ مکیہ مجھے دیکر مقابلہ کیا تو وہ سب باتیں جو محض جھوٹ اور افترا پردازی پر دال تھیں نہ نکلیں۔ جنکو میں اُن کے کلام کی طرف منسوب ہوتے بارہا سُن چکا تھا۔ پس وہ سب عبارتیں جو اصل نسخہ میں نہ تھیں۔ میں نے اپنے نسخہ فتوحاتِ مکیہ سے نکالدیں"۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں۔ کہ ایسے ہی میری کتاب بحرالمورود میں لوگوں نے جھوٹی باتیں لکھ لکھکر کئی سال مجھے بدنام کیا اور واللہ میں اِن سب سے بری تھا"۔ ایسے ہی لوگوں نے شیخ الاسلام مجدالدین فیروزآبادی کی طرف سے امام اعظم رح کے بارہ میں طعن و تشنیع لکھکر ابوبکر خیاط یمنی کے پاس بھیجدیا تھا۔ اُنہوں نے اسے پڑھکر فیروزآبادی کو ایک خط ملامت کا لکھا۔ جس کا فیروزآبادی نے جواب لکھا کہ اِن باتوں کی میری طرف نسبت بالکل افترا ہے۔ آپ ایسی کتاب کو جس میں ایسی باتیں ہیں فوراً جلا دیجئے"۔ یہ باتیں کسی کے ساتھ نہیں ہوئیں امام احمد حنبل رح کے مرض الموت میں اُنکے تکیہ کے نیچے ایسے جھوٹے اور لغو عقائد کا لکھا ہوا کاغذ پایا گیا جن کا دل میں لانا بھی گناہ ہے۔ امام غزالی رح کی تصانیف کے ساتھ حُسّاد نے ایسی ہی نامعقول حرکتیں کیں۔ شیخ مجدالدین

فیروزآبادی نے ان کی مدح میں چند شعر لکھے ہیں جن کا یہاں ترجمہ نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

وما علیَّ اذا ما قلتُ معتقدی مجھ کو یہ سزاوار نہیں کہ میں انکو اپنا ہم عقیدہ بتاؤں	دع الجهول یظن الجهل عدوانا جاہلوں کو چھوڑ دو کیونکہ وہ جہل کی وجہ سے گمان ظلم کرتا ہے
واللهِ واللهِ العظیم ومن خدا کی قسم خدا کی قسم جو عظیم ہے اور اس کی قسم جس نے	اقامه حجة للدین برهانا جس نے محی الدین ابن عربی کو دین کی حجت اور دلیل بنایا
ان الذی قلت بعض من مناقبه بیشک جو کچھ میں نے اُن کی مدح بیان کی	ما زدت الا لعلی زدت نقصانا اسمیں میں نے زیادتی نہیں کی بلکہ شاید میری تعریف سے انکی کمی ہوئی

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ابن عربی کو بُرا کہتے ہیں اور اُن کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اپنے مُنہ کو بُرا اور ناپاک کرتے ہیں وہ ان تمام اقوال اور سندات کو کہاں پھینک دیتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی ہیں جنکو وُہ خود بھی اچھا اور اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں۔ اتنے جلیل القدر شخص کو بُرا کہنا معمولی بات نہیں جس کی شان میں لوگوں نے ایسے ایسے منقبت کے جملے لکھے ہوں۔ امام نووی سے لوگوں نے انکے بارہ میں دریافت کیا۔ فرمایا: "تلک امۃ قد خلت"۔ مومن کو گالی دینے سے انسان فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ کہ اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی کرنا اور انکو بُرا کہنا۔ انکے اقوال و افعال اگر سمجھ میں نہ آویں تو بھی انکی اچھی تاویل کرنا چاہیے جبتک آدمی اس مرتبہ کا نہ ہو لے جس کے بارہ میں کہنا چاہتا ہے انکے کلام کو جھوٹ نہ سمجھے۔

امام ابن اسعد یافعی۔ ابن عربی کے بڑے مداح ہیں اور لکھتے ہیں کہ انکو ولایت عظمیٰ حاصل تھی۔ شیخ الاسلام ذکریا سے منقول ہے کہ امام یافعی۔ مجھ کو ابن عربی کی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

کہا کرتے تھے کہ جو جُہال اہل طریق سے انکار کرتے ہیں۔ تو گویا وُہ چاہتے ہیں کہ پہاڑ کو پھونک کر اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ اور جو شخص اولیا سے عداوت رکھتا ہے وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے۔" شیخ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ابن عربی عارفوں کے ولی ہیں۔ اور نبی عربی کے قدم بقدم چلتے ہیں۔" امام فخر الدین رازی نے انکو بہت بڑا جلیل القدر ولی لکھا ہے۔ صلاح الدین صفدی علماء مصر کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جسکو علم لدنی والے کا کلام دیکھنا ہو۔ پس وہ ابن عربیؒ کی تصانیف دیکھے۔" باوجودیکہ ابو عبد اللہ ذہبی اور ابن تیمیہ اُنکے سخت مخالف تھے۔ مگر ایک مرتبہ ابو عبد اللہ ذہبی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا درحقیقت ابن عربیؒ نے فصوص الحکم رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا علاّمہ کبھی جھُوٹ نہیں کہہ سکتا۔ کمال الدین کاشی نے انکو محقّق اور صاحب کرامات اور کمالات فرمایا ہے۔ شیخ مجد الدین کا خیال ہے کہ ان کا مکان ملک شام میں تھا اور وہیں انہوں نے تمام علوم کی اشاعت کی۔ وہاں کے عُلما نے اِن کی تصنیفات کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ جامع التذکرہ میں شام کے بارہ میں ایک عبارت ہے" لَا تَسُبُّوا اَهْلَ الشَّامِ فَاِنَّ فِيهِمُ الْاَبْدَالُ" جب یہ حکم مُطلقاً اہل شام کے لئے ہے تو ابن عربیؒ کے بارہ میں کچھ بُرا کہنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خونجی شامی پر ایک مرتبہ شیخ محی الدین ابن عربی کی نظر پڑی۔ اُسی وقت سے قضاوت کو چھوڑ کر ان کے گرویدہ ہو گئے اور اِن کے قدم بہ قدم چلنے کو فرض سمجھا۔ اور اپنی صاحبزادی کو اُن کے نکاح میں دیدیا۔ شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں کہ جب شیخ محی الدینؒ شام میں تھے تو وہاں کے تمام عُلماء اِن سے ربط و اتحاد رکھتے تھے۔ اُنکو مجتہدین کا اُستاد خیال کرتے

تھے اور احترام کرتے تھے۔ حضرت کمال الدین زملکانی جو شام کے جلیل القدر عالموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے بڑے مدّاح تھے۔ حضرت قطب الدین حموی جب شام سے اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ابنِ عربی کو کیسا پایا۔ انہوں نے فرمایا کہ "میں نے ان کو علم و زہد اور معارف میں بحرِ ذخّار پایا جس کا کنارہ نہیں"۔ شیخ سراج الدین مخزومی نے ان کے مخالفین کے جوابات میں نہایت ردّ و قدح کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ ہم کو محض ناسمجھی کی وجہ سے فتوحات اور فصوص وغیرہ کا انکار نہ چاہیے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ جب یہ مکہ معظمہ میں تھے اور ان کا درس تدریس احادیث کا جاری تھا۔ اس وقت ان کے ایک شاگرد نے ایک کتاب لکھی جس کے جواب میں قلم برداشتہ انہوں نے فتوحات مکیہ لکھی۔ سراج الدین بلقینی سے لوگوں نے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے کلام سے انکار مت کرو۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اوائل عمر میں علم معرفت اور حقائق کے دریا میں غوطہ لگایا ہے۔ امام سبکی نے کہا ہے کہ شیخ محی الدین آیۃٌ مِن آیاتِ اللّٰہِ تھے۔ اور اس زمانہ میں علم و فضل کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ علمار محققین انکی ایسی عزت اور لحاظ کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بدرالدین سبکی نے جو شام کے شیخ الاسلام تھے۔ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم پر دو جگہ اعتراض کیے۔ جب سراج الدین بلقینی کو اس کی خبر ہوئی تو بدرالدین سبکی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ اے قاضی القضاۃ اولیاء اللہ کے انکار سے بچو۔ اور ڈرو اگر تو نہیں تمہیں ردّ و قدح کا شوق ہے تو ان کے منکروں کا ردّ لکھو۔ ورنہ باز آؤ۔ انکی غلطی

نکالنے والے خود ہی سراسر غلطی پر ہوتے ہیں۔ مگر ہٹ دھرمی انکو سمجھنے نہیں دیتی"۔ عماد بن کثیر کا مقولہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے اقوال سے انکار کیا وہ مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ ہر کلام کے ہمیشہ دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔ اچھے لوگ اچھی جانب لیجاتے ہیں اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اور بدخیال اسکو برائی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ فتوحات اور فصوص وغیرہ کو دیکھنے والے بھی ایسے ہی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک آدمی جو خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں۔ اور انکو علم باطنی بھی حاصل ہے۔ وہ کبھی ابن عربی کے اقوال کو خواہ وہ کیسا ہی انکو غیر ممکن معلوم ہوتا ہو۔ اگر شریعت کے خلاف نہیں (مگر علما ظاہربین کا امتیاز نہیں۔ کیونکہ وہ نکتہ کو نہیں پہنچتے اور نہ غور کرتے ہیں۔ ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں۔ انکو حقائق سے مطلق آگاہی نہیں ہوتی) تو ہرگز اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور ایک ظاہر بین علما وہ ہیں جنکو بجز پڑھ لینے اور کفر کا فتویٰ دیدینے کے کوئی کام نہیں۔ خدا سے لگاؤ نہیں تعلق نہیں۔ دنیا میں پھنسے ہیں یہ سمجھیں تو کیا سمجھیں۔ ایسے لوگوں کو البتہ دشواریاں ہیں کہ وہ ابن عربی کے اقوال کو تسلیم کریں۔ اور انکار سے بچیں۔ کیونکہ اس ظاہری فرقہ کو دنیا میں سب چیزوں کو محال اور غیر ممکن کہدینا آسان ہے۔ جو لوگ ان کی تصانیف میں غلطیاں نکالتے ہیں۔ اور اعتراضات پیش کرتے ہیں وہ محض انکی بے سمجھی کی دلیل ہے اور کوتاہ بینی کا ثمرہ ہے۔ کلام تو اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ اعتراضات دائر کر دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ خرچ تو ہوتا نہیں۔ ابھی اگر حکم ہو جائے کہ ہر اعتراض بغیر چار آنہ کے اسٹامپ کے دائر نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر کچھ خرچ کئے اعتراض نہیں ہو سکتا

تو دیکھئے ابھی اٹکل پچو اعتراضات جو بلا سوچے سمجھے کر دیئے جاتے ہیں کہ ایک بھی نہ ہو۔ ساری کتاب پر ایک جگہ بھی شبہ نہ پڑے۔ اور واقعی شبہ بھی خرچ کی وجہ سے نکیا جائے۔ یہاں تو اندھے کی سی لاٹھی ماری جاتی ہے۔ خواہ نشانہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح ابن عربی کے مخالفین کا حال ہے۔ جو جی میں آیا کہہ گئے۔ کچھ تدارک تو ہے نہیں۔ جس سے انکو تامل ہو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آجتک برابر ہر بڑے شخص کی مخالفت ہوئی۔ ہر نبی کے مخالفین بکثرت ہوتے رہے۔ اگرچہ ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ وہ حق پر تھے مگر ان کے وقت کے بڑے بڑے آدمی ہمیشہ مخالفت اور اعتراضات کرتے رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں شروع سے آخر تک یہی حالت رہی۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین پر وہی مصیبتیں اور ملامت کی بوچھاڑیں برسائی گئیں۔ غرضکہ ہر عروج والے کو اس وقت تک برابر اسی طرح کی باتیں پیش آتی رہیں۔ ابن عربی کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ وہ خدا کے محبوب بندوں میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے یکتائے زمانہ۔ بے مثل و بے نظیر رہے۔ ان کی شان میں سخت الفاظ کہنا دین و ایمان بگاڑنا ہے۔ بڑے بڑے علما اور مشائخ نے انکو عزت کے الفاظ سے یاد کیا۔ انکو اپنا امام اور مقتدا قرار دیا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایسے حقائق اور اسرار سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر کتاب و سنت سے مدلل نہ پایا جائے تو وہ مسئلہ موقوف رکھا جاتے۔ مگر اس کی حقیقت سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے آخر زمانہ کو حسب ذیل لوگوں نے پایا ہے۔

اعدا ان کی عزت اور توقیر کی ہے - اور انکو بڑے پایہ کا بزرگ
التسلیم کیا ہے - جو خود بھی اپنے وقت کے اہل کمال تھے - شیخ شہاب
سہروردی یہ ابن عربی کے بالکل معاصر تھے - اوحد الدین کرمانی نجم الدین
رازیؒ مصلح الدین سعدی شیرازی - صدر الدین قونوی - مؤید الدین
نجندی - ابو الحسن مغربی شاذلی - ابو العباس برتی - ابن الفارض حموی
مصری - عزیز الدین نسفی - ابن الصباح - فخر الدین عراقی - نجیب الدین
برغش شیرازی - برہان الدین ترمذی - نور الدین عبد الرحمن سفرانی -
جمال الدین خورقانی سیف الدین باخرزی - سعد الدین - ابو محمد عبد اللہ
مغربی - مولانائے روم علیہ الرحمۃ نے بھی اِنکے آخر زمانہ کو پایا ہے -
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
آخر کار آپ نے اٹھتر سال سات مہینہ تُوون دُنیا میں مسافرانہ
زندگی بسر کرکے ۲۲ - ربیع الثانی شب جمعہ ۶۳۸ھ میں شہر دمشق میں
دُنیا کو خیرباد کہہ کر آخرت کی راہ لی - اور قاسیون پہاڑ کے دامن میں
جو آجکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

تاریخ وفات

عقل فرمود صاحب الارشاد سالِ ترحیلِ او بقدرِ زمیں

ایضاً

ابنِ عربی رہبرِ شرعِ رسُول رہنمائے دینِ احمد محی دیں
گشت سر در سالِ ترحیلش عیاں از شہِ احسن محمد محی دیں ۶۳۸

سیّد محمد فاروق احمد (بریلوی)

تو دیکھئے ایک

علم کا صحیح استعمال

ایک جوان آدمی نے ایک بوڑھے آدمی سے "علم اچھی چیز ہے اور درحقیقت علم اچھی چیز ہے۔ دُنیا بہ نسبت پیشتر کے اب بہت ترقی کر گئی ہے۔ میری چھ سات سال کی عمر میں اس قدر معلومات نہیں تھے۔ جتنے کہ اب میرے لڑکے اسی عمر میں رکھتے ہیں۔ وہ دُنیا کی ہر چیز کو کم و بیش جانتے ہیں اور ہر قسم کے مضمونوں پر بحث کر سکتے ہیں۔ جناب یہ تمام علم ہی کا کرشمہ ہے۔ کیا آپ میری رائے سے اتفاق نہیں کرتے؟"

بوڑھا آدمی۔ "نہیں۔ علم کی اچھائی اور برائی اس کے استعمال پر منحصر ہے علم اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔ کیونکہ ہم کو علم سے صرف کام کرنے کی مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور کام کرنے کی قوت اچھی اور بُری دونوں قسم کی ہو سکتی ہے"۔

جوان آدمی۔ "جناب! میں اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ علم بُرا بھی ہو سکتا"۔ بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ میں تم پر ثابت کر دونگا۔ اور اس طرح کہنے لگا:۔

بوڑھا آدمی (۱) "جب ہم کسی گھوڑے کی طاقت پر قابو حاصل کر لیتے ہیں تو گھوڑا ہمارا مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ ہمارا اسباب لیجاتا ہے۔ گاڑیاں کھینچتا ہے۔ سواری دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب اس کی طاقت ہمارے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے تو گھوڑا لگام توڑ ڈالتا ہے۔ گاڑی توڑ پھوڑ دیتا ہے اور اپنے سوار کو گرا دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جوان آدمی ۔ "بجا ہے ۔ درست ہے"۔

(۲) اگر کسی بڑے تالاب کا پانی بذریعہ نالوں کے خارج کر دیا جاتا ہے تو یہ پانی کھیتوں کو سر سبز اور زرخیز بناتا ہے ۔ اگر اس تالاب کا پانی (نالے نہ ہونے کی وجہ سے) کناروں سے پھوٹ نکلتا ہے تو ہر چیز جو اس کے سامنے ہوتی ہے بہ جاتی ہے اور کھیت پامال ہو جاتے ہیں"۔

جوان آدمی ۔ "بے شک ۔ بالکل صحیح ہے ۔ درست ہے"۔

(۳) کوئی جہاز جو اپنے سیدھے یا صحیح راستہ پر جا رہا ہو جلد منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے ۔ لیکن اگر راستہ غلط ہے تو جتنا زیادہ تیزی سے چلایا جائے گا اُتنا ہی اپنی منزلِ مقصود سے دُور ہوتا جائیگا"۔

جوان آدمی ۔ "آپ کا فرمانا بالکل صحیح و درست ہے"۔

بوڑھا آدمی ۔ "خوب ! اگر تم اِن تینوں مثالوں کو بخوبی سمجھ گئے ہو تو میں خیال کرتا ہُوں کہ تم اس بات کو بھی بخوبی جان گئے ہو گے کہ علم کو اچھا کہنے کے لئے ضرورت ہی کہ وُہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے ۔ علم کا "اچھا استعمال" ہمارے لئے رحمت ہے ورنہ زحمت سے زیادہ نہیں"۔

جوان آدمی ۔ "مَیں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ۔ بیشک علم ایک طاقت ہی اور اُس کا "صحیح استعمال" ہی اچھا ہو سکتا ہے"۔

(ترجمہ از انگریزی)

محمد ابراہیم خاں تجلّی ۔ (خورجوی)



رات اور دِن

ذیل کا مضمون مخزن کے قدیم قلمی معاون جناب سید راحت حسین صاحب بی
اے - بی - ایل بھاگلپوری کا عطیہ ہے اور یہ دراصل اُس مختصر سے رسالہ
موسومہ "نیرنگ ارض" کا اقتباس ہے - جسکو صاحب موصوف لڑکیوں
کی تعلیم کے واسطے تالیف کر رہے ہیں - ہمیں امید ہے کہ سید صاحب
کی یہ سعی جمیل مُلک میں قبولِ عام کی نظر سے دیکھی جائیگی :-

بچپن سے تم دیکھتی آتی ہو کہ سورج نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے اور ہر شخص
نے اسکو یُوں ہی دیکھا ہے - کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج نہ نکلا ہو - اِس واقعہ
کو دیکھتے دیکھتے ہم کو ایک ایسا ضروری اور ناگزیر قانونِ قدرت معلوم ہوگیا
ہے کہ ہم پُورے اطمینان کے ساتھ اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ کل آفتاب ضرور
برآمد ہوگا - جسوقت سورج نکلتا ہے تو اُس کے نور سے تمام فضائے آسمانی
مملو ہو جاتی ہے اور یکایک اُجالا ہو جاتا ہے - سوتی ہوئی دنیا میں ایک
کھلبلی مچ جاتی ہے - پنچھی پکھیرو اپنے اپنے گھونسلوں سے باہر نکل کر ہوا
میں پرواز کرتے ہیں - جانور چارے کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں
آدمی اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں - اور درختوں کی پتّیاں جو ننھے قدرتی
کیمیا خانے ہیں اپنی غذا تیار کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں - غرض سورج کی
گرمی اور اُس کی حیرت خیز روشنی تمام عالمِ حیوانات اور نباتات میں ایک
تازہ رُوح پھونکدیتی ہے - پھر شام ہونے کو آتی ہے اور آفتاب غروب
ہو جاتا ہے تو تمام اندھیرا چھا جاتا ہے - سردی محسوس ہوتی ہے - دُنیا کے

کام دھندے بند ہو جاتے ہیں۔ فضائے آسمانی میں چاند سیر کرتا نظر آتا ہے
تارے اُفقِ مشرقی سے نکل کر اُفقِ مغربی میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔ اچھا سچ
بتاؤ کبھی بھی تم نے ان واقعات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور
سُورج چاند یا ستاروں کی اس چل پھر کو اک انوکھی بات سمجھ کر اس کے سبب کو
دریافت کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔

دیکھو تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زمین ساکن ہے اور آفتاب ستارے
اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ چنانچہ اگلے لوگوں نے اس مغالطہ کو سچ مان
لیا تھا اور اُن کا یہ خیال تھا کہ زمین اس عالم کی مرکز ہے۔ سُورج زمین کے
چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ جس طرح تم اس کو دیکھتی ہو۔ آج بھی اکا دکا آدمی
ایسے ہیں جو اسی وہم میں پڑے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ زمین ساکن ہے۔
لیکن تحقیقات جدید نے اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جس طرح زہرہ
مریخ یا اس کے ساتھی ستیارے آفتاب کے گرد چرخ کھاتے ہیں۔ اسی طرح زمین
بھی ایک سیّارہ ہے جو آفتاب کے گرد گھوم رہا ہے۔ تم کہو گی کہ ہم صریح
دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب ہر روز طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے۔
رات کو آسمان میں جگمگاتے ستارے چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس کو
کیونکر مان لیں کہ زمین گھومتی ہے اور آفتاب ساکن ہے؟ میں تم کو اس بات
کا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سراسر تمہاری نگاہ کی غلطی ہے۔ ساون کے مہینہ میں
اکثر تم نے دیکھا ہوگا کہ رات کو بادل کے چلنے سے چاند بھاگتا ہوا نظر آتا ہے
بادلوں کو ہوا اُڑائے لئے جاتی ہے۔ لیکن دیکھو تو چاند دوڑتا نظر آتا ہے۔
دُوسری مثال مغالطۂ نظر کی ریل کی چال ہے۔ اگر ریل کا سفر تم نے کیا ہے
تو دیکھا ہوگا کہ جس وقت اسٹیشن پر دو گاڑیاں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی

ہوتی ہیں تو ایک گاڑی کے چلنے سے دُوسری گاڑی جو کھڑی رہتی ہے چلتی ہوئی
نظر آتی ہے۔ اِسی طرح کی اور مثالیں ہیں جنکو خیال کرنے سے تم سمجھ سکتی ہو کہ
ایک چیز کے چلنے سے دُوسری چیز جو ساکن ہوتی ہے چلتی ہوئی نظر آتی ہے
اور اس کو دیکھنے میں ہماری نگاہ دھوکا کھاتی ہے۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ
زمین کے چرخ کھانے سے آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ میل کی دُوری
پر ہے فضائے آسمانی میں سیر کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ وُہ ساکن ہے۔
اصل وجہ یہ ہے کہ زمین کے چرخ کھانے سے ہم خود اُس کے ساتھ گھوم رہے
ہیں۔ اِس لئے زمین کی چال ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ اگر تم ایک ہونہار
لڑکی ہو اور کسی واقعہ کو دیکھ کر اُس کی وجہ کو دریافت کرنے کی تمہارے
دل میں چیٹک ہے تو اس کو تم خود سوچ سکتی ہو کہ آفتاب گھومتا ہے یا زمین
گھومتی ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تحقیق کرنے پر آؤ اور علم ہیئات کی بڑی
بڑی کتابوں کا مطالعہ کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ زمین آفتاب کے
گرد گھوم رہی ہے۔ آفتاب اپنی جگہ پر قائم ہے۔

یہ ایک بات ہے یاد رکھو کہ زمین جو ایک لٹو کی طرح چرخ کھاتی ہے اور ایک
ہی مقام پر ٹھہری ہوئی وُہ گھومتی ہے بلکہ لڑھکتی ہوئی اپنی جگہ بھی چھوڑتی
جاتی ہے اور اس طرح ۳۶۵ ۱/۴ دن میں آفتاب کے گرد اپنا دَورہ تمام
کرتی ہے۔ زمین کی اس چال کو حرکتِ دولابی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے
جاڑا برسات گرمی یا بہار کی رُت ہر سال برابر جاری ہے۔ اور ایک
سال کی رُت میں جب زمین شمس کے گرد گھوم آتی ہے کل موسموں کا
دَورہ بھی پُورا ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رات اور دن کے ظہور میں آنے کا

باعث کیا ہے۔ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے اور کہاں سے طلوع کرتا ہے؟
پرانے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آفتاب ایک نورانی رتھ پر سوار ہے۔ دن کو تو وہ فضائے آسمان کی منزلوں کو طے کرتا ہے اور جب شام قریب آتی ہے تو مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور شب بھر آرام لینے کے بعد پھر صبح کو تازہ دم مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ طلوع اور غروب دونوں لفظ جو اس وقت تک ہماری زبان کے روزمرہ میں داخل ہیں۔ اسی پرانے خیال کی ایک یادگار ہے۔ ورنہ علم ہیئت کی تحقیقاتِ جدیدہ کو خیال کرو تو یہ دونوں الفاظ جن سے یہ بات تراوش کرتی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد چرخ کھاتا ہے بالکل بے معنی اور بیکار ہیں۔

اس قدر ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ آفتاب ساکن ہے اور زمین اس کے گرد چرخ کھاتی ہے۔ تم رات اور دن کے عہد میں آنے کی وجہ کو آسانی سے سمجھ سکتی ہو۔ ایک آسان تجربہ بتاتا ہوں۔ لو اسی کو آزما کر دیکھ لو کہ رات کے بعد دن کس طرح آتا ہے اور زمین پر روشنی اور تاریکی کیونکر متورہ کرتی ہے۔ ایک بڑی گیند کو چراغ کی لو کے سامنے اپنے ہاتھوں سے دھیرے دھیرے گردش دیتی جاؤ۔ تم دیکھو گی کہ گیند کا آدھا حصّہ جو چراغ کے سامنے ہے وہ روشن ہے اور اس کے دوسرے حصّے پر جو اس طرف کو ہے اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ لیکن گیند کی گردش کی وجہ سے جو حصّہ ابھی روشن تھا وہ تاریکی میں چلا آتا ہے اور جو تاریکی میں تھا وہ روشنی کی طرف آجاتا ہے اور اس طرح یکے بعد دیگرے گیند کا ہر حصّہ اُجالے سے اندھیرے اور اندھیرے سے اُجالے میں آتا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح زمین کے چرخ کھانے سے جو آفتاب کے مقابل میں گھوم رہی ہے۔ دن کے بعد

رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ غرض زمین جس کے ساتھ ہم خود گھوم رہے ہیں جب ہم کو آفتاب کے سامنے لاتی ہے تو دن ہوتا ہے اور جب اُس کا رُخ گردش کی وجہ سے بدل جاتا ہے تو آفتاب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ہمارے لئے رات آتی ہے۔

جس وقت آفتاب ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کو دُوسرے مُلک کے لوگ دیکھتے ہیں جو ہم سے مغرب کو واقع ہیں۔ غرضکہ ایک ہی وقت میں زمین پر کہیں شام کہیں صبح کہیں رات اور کہیں دن ہوتا ہے۔ جس وقت ہمارے ہاں دن ہوتا ہے اُس وقت امریکہ میں رات رہتی ہے۔ اور جب یہاں شام ہوتی ہے اور آفتاب ڈوب جاتا ہے تو امریکا میں صبح ہوتی ہے اور آفتاب طلوع کرتا ہے۔ غرض ہر مقام کا جداگانہ وقت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے ایک طرف کو رات رہتی ہے تو دُوسری جانب کو دن ہوتا ہے۔

زمین کے ہر حصّہ پر رات اور دن کی مُدت برابر نہیں ہوتی۔ کہیں ایک مہینہ کا دن اور کہیں دو ماہ کا۔ یہانتک کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ½ ۲۳ درجہ آفتاب کی جانب کو جھکی ہوئی ہے۔ تجربہ میں تم اپنے گیند کو چراغ کے سامنے ایک ذرا جھکا دو تو دیکھو کہ ادھر کا سرا باوجود گردش کے برابر روشنی ہی میں رہتا ہے اور دُوسرے سرے پر کسی طرح بھی روشنی نہیں پہنچ سکتی ہے۔ پھر اگر تم اپنی جگہ بدل کر خود ان کی دُوسری طرف کو چلی جاؤ تو دیکھو گی کہ گیند کا حصّہ جو روشنی میں تھا اُس پر اندھیرا چھا گیا۔ اور جو حصّہ تاریکی میں تھا اُس پر روشنی

دَوڑ گئی - اس طرح قطب شمالی میں جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو زمین کے جھکی ہوئی ہونے کی وجہ سے وُہ چھ مہینہ تک صرف دائرہ اُفق ہی پر چکّر کھاتا رہتا ہے اور اُس کی خوشنما شعاع اجیرن ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے۔ لیکن زمین جو اپنی جگہ چھوڑتی جاتی ہے۔ جب آفتاب کے دوسری جانب کو چلی جاتی ہے تو قطب شمالی میں آفتاب غروب ہوتا ہے اور قطب جنوبی میں نظر آتا ہے۔ اور اس طرح زمین کے ہر حصّہ پر رات اور دن کی مُدت جُداگانہ ہوتی ہے +

سیّد راحت حسین بی۔ اے بی ایل

غزل

خواہش نہ زر کی اور نہ مطلوب جاہ ہے
درکار ہے تو اس کے کرم کی نگاہ ہے

یہ جو ستم کشِ تپ اُلفت کا ہے نشاں
دل جل رہا ہے اور کلیجہ سیاہ ہے

اس کے فراق میں ہیں بلا کی مصیبتیں
دل کو قلق، جگر میں خلش، لب پہ آہ ہے

اُترا ہوا ہے عبرت و حسرت کا قافلہ
روندی ہوئی ہمارے لحد کی گیاہ ہے

یکساں ہوا یہ آنا نہ آنا شبِ وصال
خاموش آپ بیٹھے ہیں نیچی نگاہ ہے

بابِ کرم کشادہ ہے بے جھجک نہ جائیے
پیرِ مغاں کی شیخ جی یہ بارگاہ ہے

محروم نہ ہونگے تیرے بتانِ جفا شعار
کمبخت بیوفاؤں کی کیوں تجھکو چاہ ہے

— محمد حسین محوی لکھنوی تلمیذ حضرت شوق

کاغذی گھڑی

مائی ڈیر رام چندرا مخزن میں مشتہر کر کے جو بار احسان آپ نے میرے کندھوں پر رکھا ہے مَیں اس سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے میری بابت تو بی۔ڈی وغیرہ لکھدیا۔ مگر یہ لکھنا شاید بھول گئے کہ آپ اپنے نام کا اختصار کرتے ہوئے آر۔سی سے ڈرتے ہیں۔ (داس)

مسٹر رام چندر سے میری شناسائی پہلے پہل پنڈت بدیا ساگر کے مکان پر ہوئی۔ انٹروڈیوس کرنے والے نے کہا تھا۔ مسٹر رام چند حال تاجر اور حاضرین مسکرائے۔ ہر بزم کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں اور ایسے فقرات کا مطلب وہی سمجھ سکتے ہیں جو اُن اصطلاحوں سے واقف ہوں۔ مجبورًا مجھے دریافت کرنا پڑا کہ حال کے اصطلاحی معنی کیا ہیں۔

پنڈت بدیا ساگر۔ وُہی جو اس کے لفظی معنے ہیں۔ مسٹر رام چندر مستقل مزاجی سے پیشہ تبدیل کرتے ہیں کہ اس لفظ کا استعمال لازمی سمجھا جاتا ہے۔ کوئی محکمہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ نہیں گئے۔ اِن کی پُوری تعریف کرنی ہو تو آپکو کہنا پڑے گا مسٹر رام چند تاجر۔ سابق سروفتر ملٹری ورکس۔ سابق گارڈ یوگنڈا ریلوے۔ سابق انسپکٹر پولیس۔ اور اسی طرح جس محکمہ کا نام آپکو یاد ہو۔ ایزاد کرتے جائیں اور مَیں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کہیں غلطی نہ کرینگے۔

وقتًا فوقتًا مسٹر رام چند اپنے محکموں کے تجربات اور مشاہدات سے ہمیں مسرور فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر ضرورت پڑی تو اِن میں چند ایک

ناظرین مخزن کے مطالعہ سے گذرینگے۔ فی الحال میں اُن کا ایک تجربہ بیان کرونگا۔ جو عدن میں واقع ہوا۔ مسٹر رام چند نے میری کہانی میری زبانی بیان کی ہے اور میں اس فرض کو انہیں کے شکریہ میں ادا کرونگا۔ یہ کہانی آپ نے کاغذی گھڑی کے متعلق بیان کی تھی۔

مسٹر رام چند۔ "یہ گھڑی؟ مجھے افسوس ہے میں اس کے ملنے کا پتہ آپکو بتلا نہیں سکتا۔ مجھے ایک دوست سے بطور تحفہ ملی تھی۔ اور اس پر بنانے والے کا نام بھی کندہ نہیں۔ میرا خیال ہے۔ یہ امریکہ کی ساخت ہے۔ وہاں کاغذ سے بہت سی اشیا بنتی ہیں۔ کاغذ پر بوجھ ڈال کر ایسا سخت بنا دیتے ہیں کہ لوہے کا کام دے سکتا ہے۔ تار کے بدلے کاغذ سے بنتے ہیں۔ ہلکے پن اور مضبوطی میں ان کی نظیر نہیں۔ کبھی زمانہ سنگین تھا۔ کبھی آہنی۔ آجکل کاغذی زمانہ ہے۔ باریک سے باریک دھار کے اُسترے اور چاقو کاغذ سے بنتے ہیں"۔

میں۔ آپ اُس دوست سے اب اس کے ملنے کا پتہ دریافت نہیں کر سکتے۔

مسٹر رامچند۔ (دم سرد بھر کر) اب مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ مسٹر چندا یہ ایک بڑی عجیب داستان ہے۔

میں۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

مسٹر رامچند۔ (مسکرا کر) خوب۔ پھر کچھ سوچ کر۔ اچھا سن لیجئے۔ اب اس بات کو عرصہ ہو گیا۔ اور اس ڈرامہ کے ۱۱ ایکٹروں میں سے میرے سوا اسجگہ کوئی اور موجود نہیں۔ میں یہاں ملٹری ورکس میں ہیڈ کلرک ہو کر آیا تھا۔ مسٹر مارٹن اگزکٹو انجنیر تھے۔ بڑے خلیق اور بہت

خوش مزاج آدمی تھے۔ پہلے پہل مجھ سے یہی سوال کیا۔ "ویل مسٹر رامچند۔ ہم تم کو کیا بولیگا"۔ یہ معمہ میرے لئے لاینحل تھا اور میں نے گزارش فرمانے کی التجا کی۔ وہ پھر بولے۔ "ہم تم کو۔ را۔ بولیگا یا۔ مچنڈ۔ بولیگا"۔ مَیں نے عرض کی کہ مجھے رام کہ لیں یا چند۔ اور صاحب بہادر ہنسی سے بیتاب ہو گئے۔ مَیں حیران تھا کہ اُنہیں کہیں خلل دماغ تو نہیں۔ جب اُن کا مزاج کچھ ٹھہرا تو فرمایا۔ "ویل رام۔ تم حیران ہوگا صاحب ایسا کیوں ہنسا۔ دیکھو ہمارا پاس تین کلرک تھا۔ ایک کا نام احسان اللہ تھا۔ ہم اسکو اپنا ماقف بلایا مسٹر اللہ۔ مسٹر اللہ۔ اور وُہ تینوں لوگ بہت ہنسا۔ بہت ہنسا اور بولا۔ صاحب ہم کو احسان بولیگا۔ اللہ تعالےٰ آسمان پر ہے"۔ پھر دوسرا روز ہم کو دوسرا آدمی سے کام تھا۔ اُس کا نام الٰہی بخش تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ الٰہی۔ الٰہی۔ اور وُہ لوگ پھر ہنسا اور بولا۔ صاحب کفر بولتا ہے۔ صاحب اسکو بخش بولیگا"۔ آ۔ تیسرا لوگ کا نام غلام نبی تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ غلام۔ غلام۔ اور وُہ لوگ ہنسا۔ ہم بولا نبی نبی تو وُہ اور زیادہ ہنسا۔ اور بولا۔ اکیلا نبی تو۔ گڈ اکیلا غلام تو بیڈ۔ اکیلا غلام بہت خراب۔ اکیلا نبی کہلانے کا ہم حقدار نہیں۔ ہمارا نام ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہو سکتا۔ ہم بہت گھبرایا۔ پھر جب انڈیا کا ڈاک آیا تو ہمارے پاس آیا۔ سب کا نام کا پہلے بی لکھا تھا۔ ہم بولا بی احسان اللہ۔ بی الٰہی بخش۔ بی غلام نبی اور وہ لوگ ہنسا ہنسا بے تاب ہو گیا۔ حرف بی صاف لکھا تھا۔ لیکن وُہ لوگ بولا۔ بی نہیں بولیگا۔ بابو بولیگا۔ جس ماقف ہیم ہد

مسٹر بولیگا۔ بی کا معنی میڈیم ہوگا۔ بی عورت کو بولیگا۔ تم سمجھا؟ اب ہم پہلے نام پوچھتا اور خوب پوچھتا۔ میرا خیال ہے مسٹر جگو اندھن آپ کے نام پر بھی ایسے ہی دقت پیش آتی۔"

میں۔ لیکن میں نے اب پیش بندی کر لی ہے۔

مسٹر رامچندر۔ اگر کوئی اہلِ دنیا کے ناموں کا مطالعہ کرے تو دلچسپی سے خالی نہ ہو۔ انگریزوں کے نام دیکھئے۔ چھٹی کی طرح ایک سرنام درکار ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سرنام تھوڑے عرصہ میں فضول اضافہ رہ جائیگا۔ ایک مارٹن سے ایک نسل میں اگر دو مارٹن بنیں تو دوسری نسل میں چار۔ تیسری میں آٹھ۔ چوتھی میں سولہ۔ پانچویں میں بتیس اور اس طرح بیس نسلوں تک بیشمار مارٹن ہو جائینگے۔ اور پھر یہ سرنام بجائے خود بڑے عجیب ہیں۔ ڈکشنری لیکر ان ناموں کے معنے دیکھو۔ بلیک وڈ کالا جنگل یا کالی لکڑی۔ واٹر فیلڈ۔ پانی کھیت۔ عجیب نام ہیں۔

سرنام کی دقت شاید سب سے پہلے اہل گوا کو محسوس ہو۔ وہاں پادریوں نے عیسائی کرتے وقت ہندوستان کی طرح مسٹر جمنا۔ مسٹر ننھو۔ مس رجّی وغیرہ نام نہیں رہنے دیئے۔ بلکہ ہر ایک پادری نے نئے عیسائیوں کو اپنا اپنا نام سرنام کی جگہ دیا ہے۔ اور اب ملک گوا۔ ڈی سوزا۔ اور فرڈیننڈیز وغیرہ ناموں سے ٹپا پڑا ہے۔ پادریوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ انگلیوں پر گنے جاتے تھے اور ہزاروں کو ان کا نام اختیار کرنا پڑا۔ مگر سب سے عجیب نام جو میں نے سنے ہیں وہ مشرقی افریقہ کی میانمیزی قوم میں ہیں۔ جب پہلے پہل یوگنڈا ریلوے پر کام شروع ہوا تو میانمیزی قلی منگوالئے گئے۔ یا تو ان لوگوں

میں نام کا رواج ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اہلِ ہند کی سمجھ میں نہیں آتا
تھا۔ ٹائم کیپروں کو اِن کا نام آپ رکھنا پڑا۔ اور جو لفظ اُن کے
خیال میں آیا۔ نام رکھدیا۔ پہلے تو گھر کے سامان سے شروع کیا۔
کسی کا نام صندوق اور کسی کا کمبل رکھدیا۔ مگر یہ نام جلدی ختم ہوگئے
اور پھر دنوں کے نام ہفتہ۔ اتوار۔ سوموار وغیرہ یہ تو کل گنتی کے
سات نام ہیں۔ پھر وقت شروع کیا۔ کسی کا نام بارہ بجے ہے اور
کسی کا ڈھائی بجے۔ کسی کا صبح۔ کسی کا شام۔ کسی کا نصف شب۔
یہ ذخیرہ ختم ہوگیا تو متفرقات شروع ہوگئے۔ اب گرم پانی۔ آٹھ
آنے۔ چونی۔ دونی۔ ولایتی پرندہ۔ بندوق کھلا دروازہ۔ اور
بند کھڑکی وغیرہ نام مقرر ہونے لگے۔ اور اب تک جاری ہیں"۔

میں "مگر وہ کاغذی گھڑی"؟

مسٹر رامچندر۔ ہاں وہ کاغذی گھڑی۔ جن دنوں میں عدن میں آیا ہوں
تو میرے پاس کوئی نوکر نہ تھا اور میں نے سوچا کہ مزدوروں میں
سے ایک آدمی کو جو کھانا پکانا جانتا ہو لے لونگا۔ اِس خیال سے
میں اُس طرف گیا جدھر مزدور کام کر رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ
ایک لڑکی اور ایک چھوٹا لڑکا آپس میں کھیل رہے ہیں۔ اُس کی عمر
گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ عدن میں اور عدن کیا تمام
افریقہ میں ہندوستانی عورت ایسی نظر آتی ہے جیسے جنگل میں
پھول۔ مہ وشانِ یورپ کو آپ ہر کہیں دیکھینگے۔ ویران جنگلوں میں
دشوار گذار پہاڑوں میں۔ کوئی جگہ اِن سے خالی نہیں۔ مگر ہندوستانی
عورت نایاب منظر ہے۔ جو اہلِ یورپ وطن سے سیدھے افریقہ کو آتے

ہیں بُرقعہ پوش عورت کو دیکھکر عجب لُطف دکھلاتے ہیں۔ پہلے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہیں۔ اور پھر کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ ایک کو تو میں نے ایسا کہتے سُنا کہ یہ واکنگ ٹنٹ (چلنے والا خیمہ) عجب ایجاد ہے۔

اُس لڑکی کا لباس کچھ ایسا اچھا نہ تھا۔ مگر حُسنِ صُورت کسی چیز کا محتاج نہیں۔ کہتے ہیں ع رنگ لایا ہو ہ دوپٹہ ترا مَیلا ہو کر۔ بادلوں میں نیم پوش چاند اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُس کی بھولی صُورت پر لباس کی سادگی بھی سماں دکھلاتی تھی۔ ... فانوس میں شمع کی چمک کچھ تیز ہی دکھلائی دیتی ہے۔ اور اگر اُس کا حُسن دِرزی کا مرہونِ منت اور جُلاہے کا شرمندۂ احسان نہ تھا تو کچھ خسارہ بھی نہ تھا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ وُہ ایک مزدور کی لڑکی تھی۔ باپ اور بڑا بھائی دونوں کام کرتے تھے۔ باپ کا نام تُلسی تھا۔ بڑے بھائی کا نام چھوٹے کے ایسنر۔ اور اپنا نام ... وہ مر چکی تھی۔ تُلسی کھانا پکانا جانتا تھا اور میں نے اُسے کام سے ہٹا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اب وُہ میرے پاس ہی دِن بھر رہتا تھا اور ایشر اور ویرو بھی دن بھر وہیں کھیلتے۔ وہ دِن عجب چین میں گذرے۔ شام کو جب میں دفتر کا کام ختم کر کے گھر آتا تو تمام تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ یہ لُطف مگر اُسی دم تک رہا جب تک میری نگاہ صاف رہی۔ اور میری نگاہ بھی دیر تک صاف رہتی۔ اگر ایک واقعہ نہ ہو جاتا۔ وُہ لڑکی دم بھر میں بچہ اور دم بھر میں جوان معلوم ہوتی۔ اور میری خوشی صرف اُس کو دیکھتے رہنے میں تھی۔

(باقی آئندہ)

مکٹ دھنباد

شری تسکیتمان مہاراج دھراج دیش سوامی جارج پنجم و مہارانی دھرانی دیش دیوی بھارت ماتا مہارانی میری

مولینا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی ایک قادر الکلام باندازِ سخنور اور پرانے اہلِ قلم اصحاب میں ممتاز بزرگ ہیں اور ان کے کلام سے تجدید السنۂ مشرقیہ کا دعویٰ بھی حق بجانب ثابت ہوتا ہے۔ صاحب ممدوح نے ہمیں ایک بھاشا نظم تہنیتِ جلوس و تاج پوشی ملک معظم قیصر ہند و ملکۂ پر مخزن میں شائع کرنیکے لئے ارسال کی ہے۔ نظم کیا ہے سلکِ جواہر ہے۔ جس میں ہندوستان کی پاکیزہ ترین قدیم زبان برج بھاشا کے انمول جواہرات پروے ہوئے ہیں۔ اور چستی مضامین کے ساتھ بندشِ الفاظ کی درستی ایسا حسن ہے کہ خاص اس نظم کا حصہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ ملک معظم قیصر ہند کی تشریف آوری ہندوستان اور اورنگ نشینی کا جشن منانے کے موقع پر ہر زبان کے صد ہا خطبات۔ قصائد۔ اور نظمیں پڑھی جائینگی اور پیش ہونگی۔ لیکن یہ نظم غالباً سب سے اچھی اور اچھوتی اور اخلاص سے بھری ہوئی ثابت ہوگی۔ ہم اپنے مکرم بزرگ شوکت صاحب کے کمال شکرگذار ہیں کہ انہوں نے مخزن کو اس نظم کی ودیعت کے لیے منتخب کیا۔ اور امید ہے کہ آیندہ بھی وہ

اپنے نتائج افکار سے مخزن کے صفحات پُر از گل و ریاحین کرتے رہیں گے۔ (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب مخزن!

آپکو معلوم ہے کہ میں مجدد السنہ مشرقیہ (اورینٹل رفارمر) بھاشا و اردو کا اوتار اور کویشر ہوں اور اردو۔ فارسی۔ عربی میں مثل شعرائے سلف اعلیٰ درجہ کی نظم و نثر لکھ سکتا ہوں اور لکھکر اخباروں اور رسالوں میں شائع کر چکا ہوں۔ مذکورہ بالا زبانوں میں تو اپنی لیاقت و حیثیت کے موافق دوسرے شعرا بھی لکھ سکتے ہیں۔ کہ بھاشا زبان میں اس پایہ کی نظم لکھنے والا ہندوستان میں ایک بھی نہیں اور چونکہ بھاشا کروڑوں ہندوؤں کی موہنی اور سوہنی زبان ہے۔ پس میں نے ہز مجسٹی ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی تہنیت تاجپوشی میں بھاشا ہی کے میدان میں توسن قلم کو گرم مہمیز کیا اور مندرجہ ذیل نظم لکھی۔ نہ مجھے خطاب کی خواہش ہے نہ تمغے کی ہوس۔ شمس العلما وغیرہ خطاب یافتہ بہت سے موجود ہیں اور ہو جائینگے۔ مگر میرا کمال علم و فن ایسے انعامات سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ مجھے پبلک نے اورینٹل رفارمر کا اعلیٰ خطاب عطا کر کے تمام خطابات سے ممتاز و مستغنی کر دیا ہے ؎

نہ وہ نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

اگر ہندوستان بھر میں کوئی شخص ایسی نظم لکھدے تو میں پچاس روپے انعام دینے کو تیار ہوں۔

سن سن پون چلت چدیائی کو شومت راج نوبدن لائی

گھورت گرجت نبھ گھن برست — سو پا برسعت گھن برست
کال گیو اب برست آوسے — سگری پرجا موتی رولے
بادل جھومت بجلی کرکت — ڈُست اسنت کی چھتیں دہرکت
مول کند بھوم اپجت ایسے — دو یا ٹرہت ہیں سجن جیسے
برست بادل کارے کارے — ندی نلا وا اُٹھت ہیں دھارے
رہس رہس نبھ دامنی دمکت — آس پاس جل جگنوں چمکت
ڈالی ڈالی ممولا گاوت — وید منتر جس بپر سناوت
دیکھت جھمکت ہیں نین ڈورے — جل بچ جیلج ہیں مدھ کے کٹورے
پھیلت چمپا اپجت بیلی — گجرے پہنت سگری ہیلی
داور جھینگر گھن گن گاوت — مدھو کر بن مدھ من للچاوت
کرت پپیہا پی تو پی تو — کویل گوکت کوگو کوکو
مور وا نرت کرت بن ماہیں — کوسوں ڈھونڈت کا گا ناہیں
جنگل جنگل پھول کھلت ہیں — کند سینہ سے مول ملت ہیں
چن پرابت سے بنے من بھولا — نرناری مل جھولت جھولا
رین رشی سکھی دیکھت بھورا — چندر سے جس آنند چکورا
گھن جل اتھاہ سمندر میں کیسے — گربھت گیانی ہری میں جیسے
رین دنا ان نبھ جگمگ بادل — چندر اور شو رج کے گھونگٹ بادل
لندن وشا مہا تما دھارن — سندر شوبھا راج کے کارن
دھن مہاراجا جارج پنجم — راج کرو مہا پرلے تک تم
وہاں تکہت یہ دم دم دھارو — نت نت دھارو جُگ جُگ دھارو
جیو سے تن میں پراجے تم ہو — راجوں کے مہاراجے تم ہو

تمہارے نین اور چرن تمہارے ۔ جے جے جگھی ۔ دھن بھاگ ہمارے
ٹھکر سیں راج استھان ہو ٹھاٹ ۔ شوبھا راج تمہیں کو ساجت
ایشور شکتی کاج میں تمرے ۔ سورج چھپت نہیں راج میں تمرے
دھن دیوی میری مہارانی ۔ تمرے بیری کی جگت میں ہانی
بھارت ماتا کی ماتا تم ہو ۔ دیش بدیش کی داتا تم ہو
دیش کی گوتموں کے سگرے بچے ۔ تمری سیوا کے ہیں سچے
تمری برہ میں سگرے مگن ہیں ۔ راج سے تمرے لگائے لگن ہیں
تمرے نیچے ودیا پاوت ۔ راج استھان سے چت ہیں لگاوت
ودیا کا دیا بالا تم نے ۔ کر دیا دیش اجالا تم نے
اتر دکھن پورب پچھم ۔ برٹش راج استھان گرٹ تم
سب ہیں پہ تمرے مکٹ ہے ایسے ۔ مکٹ اکاش کا سورج ہے جیسے
بھاری بھرکم تمرا کھانڈا ۔ دشٹ کا جس سے پھوٹت بھانڈا
دیش پر تمری کرپا سیتی ۔ جل کی شرن پھلت جس کھیتی
تمرے کو نیوت شامی رومی ۔ تمری دیا میں جگت کی بھومی
مول تمہارا ہے یہ راج تمہارا ۔ چکرورت ہو راج تمہارا
پہلے تک تم دیش میں جاؤ ۔ دیش کی نیا پار اتارو
دیش کا شردھا ہو کلش تمہیں سے ۔ اس کو ملے سوراج تمہیں سے

پوپڑھی کے ہیں ہو مرشوکت
بھاشاؤں کے کویشر شوکت

مجدد السنۂ مشرقیہ شوکت میرٹھ

تہنیتِ تاجپوشی

مرحبا اے آمدِ بادِ بہاری مرحبا　　　اے نزولِ رحمت و الطافِ باری مرحبا

اے حلولِ جان بجسمِ شہریاری مرحبا　　　اے بہ ملکِ ہند رسمِ تاجداری مرحبا

جارج پنجم چوں بہ تختِ ہند در دہلی نشست

تخت و بختِ ہندیاں را نقش بر کرسی نشست

ایں دو صد سالی کہ تا ایندم بپایاں آمدست　　　دودمانت دارد عنانِ ملکِ ہندستاں بدست

ماندہ ایم اینکہ ما را بر چگوں فرماندہ است　　　شکر للہ کو ترا آمادہ بر وے ساختست

تا دوامی دیدگاں ما دریں ہر دو صدی

از جمالِ قیصری یابند نورِ سرمدی

وہ چہ قیصر قیصرے دلہا ز آنکہ آباداں ازوست　　　واز لقائش ہر دلِ ناشاد شاداں ازوست

ہر کہ قدرِ او نداند در جہاں ناداں تر است　　　بندہ اش شد ہر کہ از بندِ غم آزاداں ازوست

ملک و دولت جاہ و حشمت سطوت و عز و جلال

ہر چہ دارد کس برون است از حدِ وہم و خیال

گر ترا شاہنشہ شاہانِ عالم کردہ اند　　　ہم مرادِ رحمت گر ایں خیر مقدم کردہ اند

بر زمیں شاہاں سرِ تسلیم اگر خم کردہ اند　　　آیتِ نصرت ملک از فلک ہم کردہ اند

زانکہ ہستی قیصرِ عدل و داد و ذات العماد

ذاتِ والایت عمود سلطنت تا دیر باد

بودہ در باغِ ہستی آں درختِ باردار　　　میخورد یک عالم از وے میوہائی خوشگوار

سایہ اش راحت رسانِ خلق چوں ابرِ بہار　　　زانکہ ہستی در حقیقت سایۂ پروردگار

حق ترا بنواخت و تو خلق را بنواختی

ساخت حق کار ترا تو کار عالم ساختی

نے فقط شاهنشهِ هندوستان گردیده اند | یورپ و افریقه و امریکه آشت کرده اند
تاج بخشِ تاجداران جهات کرده اند | حکمران بر حکمرانانِ دیانت کرده اند

بسکه داری بهتر اوصافِ رعایا پروری

زان سبب بخشید حق بر شهرانت سروری

هیچ ملکے نیست در دنیا چو ملکت شادتر | هیچ جائے نیست در گیتی چنین آبادتر
هیچ سلطانے نباشد چون تو ذوالاقتدار تر | چون رعایایت نباشد دیگرے منقادتر

هرچه هست این در حقیقت ثمرِ عدل است و داد

آنچه در صلبِ نیاکانت ودیعت حق نهاد

چیست تا شاهنشهِ شاهان ترا افزوده اند | چیست تاراس السلاطین هم ترا نامیده اند
وسعتے در سلطنت چندان ترا بخشیده اند | شاه خاورها هم از خدمتگرانت دیده اند

گرنه باشد نور بر ملکے ز ملکِ آنجناب

تابکار بر سطحِ گردون نیست تابِ آفتاب

اینهمه فیضِ برکات همی آید نظر | اینهمه از کارِ آبایت همی بخشد خبر
اینهمه از ورثۀ ایشان ترا دادند اگر | هم ترا تقلیدِ شان فرمودن است امرِ دگر

شاد باش از تخت و بخت و شغلِ عدل و داد دار

ملک را آباد دار و ملکیان را شاد دار

هر کسے پرسد من از حالاتِ این مملکت | در صلاحِ نظم و نسق و صلح و جود و کرمت
گویمش از صدقِ دل حاشا بروئے مملکت | در حقیقت حرمتِ حق هست بر پشتِ سلطنت

حیف بر کسان که ما قدرِ ملت نشناختند

نیست بخشیدۂ حق رائگاں در ہند

ورنہ این اقلیم ہند و این تجلی از کجاست | علم و فضل و دانش و وسعت تعقل از کجاست
این مدارس این مطابع این ترقی از کجاست | این مشینہا این مراکب وسعت تجارت

در مقام خشک ہر سو نہر ہا جاری ہمیں

رقبۂ مرطوب ہم از تری عاری ہمیں

این فراخیہا کہ بینی در زراعت بود کے | این ترقیہا کہ بینی در تجارت بود کے
این تکلفہا کہ بینی در عمارت بود کے | این تدبرہا کہ بینی در عدالت بود کے

ہیچکس از دست کو بشنید این فونوگراف

ہیچکس از دست کو بکشید این فوٹوگراف

اینقدر نعما کہ گفتم ہست نیمے از ہزار | کان شمارا در تمدّن روز و شب آید بکار
شکر ہر یک بر شما واجب تر است از کردگار | گر ادا کردید رستید از غم روز شمار

چیست تدبیرِ ادا بودن مطیع بادشاہ

از تمرّدہا نکردن دین و دنیا را تباہ

ما اگر ہستیم در راہِ وفا ثابت قدم | ہست شاہنشاہ ما ہم چشمۂ جود و کرم
بعد ازیں کُل عالمان قابلانِ ہند ہم | در امور سلطنت خواہند زد دم و مبہم

آہ بسا ذی نیت اعلیٰ لیکن این کار پر شر

کز بزرگان راندگی گر شدند چاہی بزرگ

ورنہ محض از علم و دانش خویش را آراستن | بر بزرگان جستن و جاے بزرگان خواستن
ہست ضدِ علم و فضل و عقل و دانش ہا سخن | خویشتن را مطابق سرکشی پیراستن

نیست این ہمہ مطلب ما بیش از سوالے خام

بلکہ ہست ہمہ مستبد را کامیابی یا تمام

هست بیگونہ بود ے اشقاء جری — هست اینهم از اجنۂ الکر [illegible]

اعتقاد در علم و عقل او هست ناقابلی — میکند [illegible] حق هر یک [illegible]

در دے تشنہ ماندہ در گاه رب العالمین

از ثمر د آنکه جانش بہ هیچ [illegible]

هم از ینجا فرض بر اطاعت رب [illegible] ست — هم از ینجا فرض بر اقتدائے مصطفی است

هم از ینجا فرض بر اتباع بو شاست — تنگ کردن یک ازیں هر [illegible] بدعت است

نیست غم چنداں اگر کردیم دنیا را خراب

هست در روز جزا دادن خدا را هم جواب

گرچه هست اینجا مراعات سخن با مسلمیں — زانکه میدارند ایشاں کتاب الله یقیں

دیگراں هم گر شمارند ش بنزدش همقریں — یعنی کل هندی برادر حیثیت [illegible]

هست ناطق اندریں معنی اگر قرآن پاک

دیگراں را مستقید از وے شدن دادوچه باک

هست مذهب یکے را با یکے گر اختلاف — نیست ایں وجه ملال و کینه و جنگ و مصاف

اهل یورپ را نگر ما بینِ و بینِ اختلاف — گرچه در مذهب یکے با دیگری دارد خلاف

لیکن بر ما هندیاں [illegible] را [illegible]

روز و شب با هم گر برپا همیدارند جنگ

میشود برباد از آں سعی آبرو و مال و جاں — زیں طرف در کشمکش سازد گروه حکمراں

آخرش زیر قصاص کشتن یا بند گراں — هیچ کیں محکم کنند اندر دل پیر و جواں

تا قیامت برگ و بار او شود سوداں سرعح

زانکه استیصال او راهست کافی هم ملح

گر به تدبیر مقیم شاهنشه والا تبار — هر طبقہ هندیاں قائم کنند ایں یادگار

کہ یمین قدم میمنت ضیح بلا نقاذ وبا — تا ہمہ جا بفیض شہنشاہ شود خرم گیا

میتوانند شد ہمیں یک جشن تر زمانہ

یادگار آمد شہ را ہمیں افسانہ

آں شہنشاہیکہ چوں شد عازم ہندوستاں — ابر رحمت بار را کردند از اول رواں

تا زند از پیش پیشیں خیمہ شاہ جہاں — تا نماید ملک را شاداب تر از بحر کراں

ورنہ مید ز امساک باراں کل زمین خاکستری

واز برائے نام ہم در دیدہ مردم تری

شکر للہ کو بہ یمن مقدم آں شہریار — کرد ما را از غم قحط و گرانی رستگار

بارش باران رحمت بازمین آں کرد کار — کاں کند ما را حیاتی و دتن را فزا

مے وزد باد خنک ہر جا کہ بنشینیم ما

سبزہ زارے در نظر ہر سو کہ می بینیم ما

آں شہنشاہے کہ در شان رعایا پروری — نیست شاہاں را بدو تاب توان ہمسری

ہم ازینجا ہست ایں تکلیف تشریف آوری — تا کند خود بر رعایا ایں شفقت گستری

تحفہ مرقومہ بالا دہند از خاص و عام

خوش خوش انجام رو شاہنشہ والا مقام

ورنہ باز ہست ایں فساد و فتنہ از اہل دگر — باز ایں جنگ و جدل از ایں فسادست و نفیر

من نمی دانم کہ چنداں ہست سر جوش ایں خمیر — میتوانم یافت کز ہر قطعہ ملک ایں نظیر

آنچہ را دیدہ ہست وقت اتفاق و اتفاق

دور کردن باید از ملک ایں نفاق و ایں شقاق

نیست شایاں حملہ کردن بر حقوق ہمدگر — زانکہ بہر او شما ہست آں شہنشہ دادگر

میرسد کو نیک [illegible] بر لحظہ اش زینجا خبر — نیست ہرگز حالت [illegible] مستتر

آنچه در دلها مرا بد خواهش اندر خیال

مینمایانند ابکار سخن بلا جدّ و بیدلی

پس ازاں لازم که سازیم انجمن قائم همه | کے تواند بود غافل ایں گروه حکمراں

گر زمیں بگذشته میگیرد خبر از آسماں | میکشاید راه بر تیغ و مه از کهکشاں

پس زهر تنکیث بر باد اتفاق ما رواست

بهتر از وے هست اگر دانا تری ذات خداست

شد پئے اصلاح حال هندیاں چیں لازمی | اتباع پادشاه و اتفاق باهمی

تا همه را تکیه کردن هم بشرط شد می | بر سر آغاخان و مسٹر گوکھلے باید همی

تا پئے ایں هر دو کار ایں هر دو سرداران قوم

میتواں کردن بپا چند انجمن در چند یوم

قائم از ایں انجمنها شد بکل هندوستاں | زیں چمنها گلشنش زیبا بود جنت نشاں

آورند از هر چمن گلدسته در ارمغاں | افگنندش بر سر و دوش شهنشاه جهاں

تا نماید بوئے آنها تر دماغ پادشاه

تا بیابد رنگ آنها خوشتر اندر نگاه

بسکه بر نادانی خود خود مرا هست اعتراف | نیست هرگز قابل قدر از من ایں لاف و گزاف

گفته ام من از رہ انصاف لیکن صاف صاف | بے تعصب بے تکلف بے تحجی بے خلاف

گر قبول افتد ذبیح زار را شکر خداست

ور نیفتد نیست غم کایں از من ایں از خداست

محمد اسمعیل ذبیح چهپرا مئوسی (ضلع فرخ آباد)

دربارِ دہلی

اگرچہ یہ نظم اور اخباروں میں بھی شائع ہو گئی ہے۔ لیکن طالب صاحب کی مرسلہ نقل کے خیال سے اور ناظرینِ مخزن کو اس سے مسرور کرنے کے واسطے ہم اسے ذیل میں درج کئے دیتے ہیں :-

دہلی ہے آج بزمِ سلیماں بنی ہوئی — رشکِ نعیم۔ رشکِ پرستاں بنی ہوئی
بادِ صبا ہے۔ بادِ بہاراں بنی ہوئی — کہتی ہے خلق شوق سے شاداں بنی ہوئی

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

کہتے تھے لوگ پہلے جسے ہستناپوری — پہلے جو راجدھانی تھی اہلِ ہنود کی
کرتا تھا پرتھی راج جہاں پہلے خسروی — آج آتی ہے وہاں سے صدائے طرب یہی

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

اسلام کا رہا تھا جہاں پہلے تخت و تاج — کرتے تھے جس جگہ اکبر و اورنگ زیب راج
دیتے تھے لوگ شاہ جہاں کو جہاں خراج — آتی ہے یوں وہاں سے ندائے نشاط آج

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

وکٹوریا کی جگر کا نبیرہ جہاں پناہ — ایڈورڈ صلح کن کا پسر شاہِ کج کلاہ
منظور ہے ہمیشہ جسے ہند کی رفاہ — کہتے ہیں صدق دل سے یہی اس کے خیر خواہ

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو

فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

ہند میں شاد کام ہیں سارے اس کے راج میں — مسلم ہوں یا ہنود سبھی خوش ہیں اسکے راج میں
آرام سے ہے خلقِ خدا اسکے راج میں — ہر قوم کی یہی ہے دعا اس کے راج میں

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

سرشار ہے شرابِ مسرت سے عام ہند — آمد سے شاہ کی ہے منور تمام ہند
صدقِ تاج پوشی سے ہے شادکام ہند — حق سے دعا گزار ہے۔ صبح و شام ہند

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

گیارہ کے سن میں ماہِ دسمبر کی بارہویں — ہندوستاں میں روز مبارک ہے بالیقیں
نوروز سے یہ روزِ دل افروز کم نہیں — آواز آرہی ہے۔ یہی آج ہر کہیں

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

رنج و الم سے دور ہے ہندوستان آج — وہ کون ہے جو دل سے نہیں شادمان آج
[illegible] — ہر شخص ہے خدا سے یہ طالب ہر آن آج

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

(طالب بنارسی ایڈیٹر)

مبارکباد

جشنِ تاجپوشی ہز امپیریل مجسٹی اعلیٰحضرت ملکِ معظم جارج پنجم قیصرِ ہند خلد اللہ ملکہٗ

دیکھنا نشو و نما ہے خوبیٔ فصلِ بہار　　اک نوا سنجیٔ بلبل نے کھلائے گل ہزار

خندۂ گل کی گلستاں میں ہوا بندھنے لگی　　گریۂ شبنم کا دامن ہو رہا ہے تار تار

زینتیں بخشیں وہ فیضِ مبدءِ فیاض نے　　لد گئی پھولوں کے زیور میں عروسِ نو بہار

مشکبو گیسوئے سنبل سے معطر ہے جہاں　　بن گیا ہر صحنِ گلشن روکشِ صد نافۂ تار

اللہ اللہ کیا سماں ہے حسرتِ دیدار کا　　ہر گلِ نرگس بنا ہے آج چشمِ انتظار

خاکسارانِ جہاں کا بخت ہی کیا اوج پر　　سرمۂ اہلِ نظر بنتا ہے اڑ اڑ کر غبار

کچھ گلِ خنداں نہیں آپے سے باہر شوق میں　　بوئے گل بھی آجکل دوشِ صبا پر ہے سوار

دیکھنا فیضِ گہر باریٔ شبنم کا اثر　　ہر خزف ریزہ چمن میں اب ہے رشکِ شاہوار

حلقہائے گیسوئے سنبل کھلے ہیں باغ میں　　عطر بیزی کر رہے ہیں نافۂ مشکِ تتار

نسیم جبکہ گلفشانی کر رہی ہے بزم میں　　قوتِ نشو و نما کچھ اسقدر ہے آبیار

شاخ با تو نہیں نکلتی ہے شگوفے شاخ میں　　آجکل گلزار میں جوشِ نمو کی ہے بہار

لالہ و گل کی ہے رنگینی چمن اندر چمن　　رستی سرو و صنوبر کی قطار اندر قطار

قمریوں کی ہے زباں پر نعرۂ حق سرّہٗ　　زمزمہ سنجِ ترنم باغ میں صوتِ ہزار

زینتِ گلزارِ عالم کی ہوا بندھنے لگی　　تن گئے انگڑائیاں لے لیکے سروِ جویبار

چھیڑتے ہیں عندلیبانِ چمن کو اسطرح　　شاہدانِ گل سے ہر دم نوک کی لیتے ہیں خار

اڑتی پھرتی ہیں ہوا سے بادلوں کی ٹکڑیاں　　ہلکی ہلکی پڑ رہی ہے صحنِ گلشن میں پھوار

گرم ہنگامہ کی دکان ہے آتش سیال سے
خانۂ خمار کے بہہ نکلے ہیں بادہ خوار

چھنتی ہے ساقی پیالوں کی پھر ترک نوک
ہے شکستِ توبہ یا لغزش سے انکی آشکار

قہقہہ مینا کی نسبت یہ سمجھے کس طرح
صاف بوتل اور اس پر دختر رز کا نکھار

کہتا ہے ہنس کے کیا یہ چل ہی ہی گو لیا
کھیلتے ہیں بادہ کش شاید بطے کا لنکا

اب ہے واعظ کو بھی شوقِ بیعت دستِ سبو
صبح سے در پر کھڑا ہے صورتِ امیدوار

خندۂ ساغر سے چھایا وہ مسرت کا سماں
شمع تک بھی بزم رنداں کی ہنسی سے ہنس پڑا

کہتے ہیں یہ بادہ کش اے ساقی گلگوں قبا
جان و دل تجھ پر تصدق دین و ایمان سب نثار

آج پلوا دے ولایت کی خدا کیواسطے
آج تو ویسی کے پینے سے ہمیں ہے ننگ و عار

آج اس کی تاجپوشی کا ہے جشنِ تہنیت
جسکی شاہی سے ہوئے اورنگ و افسر کامگار

للہ الحمد آج وہ رونق فزا دہلی میں ہے
فیض سے جسکے ہوا آباد یہ اجڑا دیار

وہ شہنشاہِ زمانہ جارج پنجم ذی حشم
کام بخش و کامیاب و کامران و کامگار

جلوہ فرما آج ہے فرماندہی کے تخت پر
بالنشاط و کامرانی با سریر عز و وقار

اپنی قسمت پہ پھولیں کس طرح نازاں اہلِ ہند
ہو گئی ہے صورتِ خوبیِ قسمت آشکار

پڑھ رہے ہیں عرشی مدحِ حاضر میں کوئی مطلع نیا
دیکھ خاموشی کا یہ موقع نہیں ہے زینہار

مطلع ثانی

اللہ اللہ آج ہے کیا تیرا حسن وقار
غازۂ رخ ہے فلک پہ آستانے کا غبار

شوکتِ شانِ شہنشاہی کا اللہ رے عروج
مہرِ گردوں ہے ترے دربار کا اک چوبدار

ہمتِ عالی کی مضبوطی کی یہ بھی ہے دلیل
ہے ترا ہر قول محکم تیرا وعدہ استوار

دیکھنے والوں کی نظریں کھنچی ہیں جھک گئیں
ہے عجب رعبِ شہنشاہی جبیں ہے آشکار

ہے ترے عہدِ عدل میں کوئی خلش گر ہے نہیں
جس طرف دیکھو چمن ہی ہے بجائے خار زار

کشتِ امید جو تھا پامال کیوں ہو سرسبز ہو
ہر گھڑی ابرِ کرم رہتا ہے تیرا اشکبار

جو چمن مقصودِ عالم میں شگفتہ سر بسر
چل رہی ہے مخلوق کی بہبود کو نسیمِ خوشگوار

ہر رعیت شاد ہے پرورش کی تو غمخوار
آبلوں کی آنکھ میں کھٹکے اب تنکے ہیں کیا

عہد میں تیرے یہی کیا مخلوق کو آ سکھایا
موڑیں کشتی مدد کی پوست کھینچ پہ آ

عہد میں تیرے مٹا افلاس کا ایک نشاں
عاشقوں پہ آب نہیں معشوق بھی کھاتے ادھار

عہد میں تیرے ہیں وہ سامانِ جمعیت بہم
ہر نصیبوں میں پریشانی نہ دل میں انتشار

فتنے ہیں کہتے ہیں چمک کر اے شہِ عالم پناہ
آسماں بس فضل سے تیرے بنا ہر خاکسار

کیا ہوا ہے صلحِ کل نے تیری جھاڑو پھیری
اب نہیں ہے نام کو دشمن کے بھی دل میں غبار

کاوشِ باہم مٹی تیرے ہیبتِ عدل سے
نوک کی لیتے نہیں گل پاؤں ہیں کانٹے دیکھنا

مملکت میں تیری صبح ہو دبتا ہر گز نہیں
نیرِ اقبال روشن ہے ترا لیل و نہار

چین سے سایہ میں تیرے خلق کرتی ہے بسر
اس لئے مشہور ہے تو سایۂ پروردگار

حکم ہے دلبستگی کا عہدِ دولت میں ترے
غیر ممکن ہے کوئی توڑے دلِ امیدوار

عدل میں نوشیرواں حاتم ہے بذل و جود میں
تو ہر اک صورت میں ہے قوم و ملک کا غمگسار

دور میں تیرے زمانہ کو ہوا ایسا عروج
نشۂ دولت کا اب ہوتا نہیں ہر گز اتار

صلحِ کل رعبِ سیاست ہے ترا کچھ اس قدر
ہیں بہم باز و کبوتر تک میانِ مرغزار

تیری آمد سے بنا ہندوستاں جنت نشاں
عشرتِ جاوید جانے کی نہیں اب زینہار

تو جو آیا خلق میں اک جانِ تازہ آگئی
ہو گئے پھر تجھ سے اجسادِ ہمہ ہوشیار

بزم میں عیشِ مخلد دست بستہ رات دن
حکم کی تابع اجل ہر دم میاں کا زار

دستگیری سے تری سرسبز ہے سارا جہاں
یوں مدد ہے خلق کا تو جس طرح قسمت ہے یار

تیرے چشمِ عدل سے چھپ کر بھی بچ سکتا نہیں
زخم کے بھی جو پر پڑتی ہے الٹے نشتر کی مار

تو ترے دستِ کرم نے کھینچ لی ہے ابر زیاں
ہو گئی ہے مجرب جس سے بارشِ ابرِ بہار

ہیں تیغ شہ رافشاں کے جوہر آئینہ	جوہر ہیں تیغ اقتدار دشمن دیکھا ہیں کیا کیا
بسکہ اس نے مری کے قطع کر دی ہے رہ	بہہ گئی جب دیکھ سیاں ہو سکتی نہیں ہے سو چہار
کیا تیرے اسپ سبک رو کی بیاں ہمت تیز پا	دائرہ اک جس سکہ کا ودے کا ہے چرخ کبود
برق وش طاؤس دم سرعت رنگ و آہو چشم	غنچہ دہن جس سے نسیم صبح بھی ہو شرمسار
جب چلا وہ باد پا سب دیکھتے ہی رہ گئے	نقش سم آنکھوں میں باقی رہ گیا گل غبار

تا کجا طول سخن اے عرشی معجز بیاں
بڑھ کے ہے سو خوبیوں سے ایک حسن اختصار

باگ لے جلدی دعا کا ہو چکا باب قبول	ہاتھ اٹھا کر عرض کر یوں اے عرشی دل فگار
روشنی بخش جہاں جبتک رہیں شمس و قمر	اور رہے جبتک کہ یہ نیرنگی لیل و نہار
سلسلہ بندی رہے جبتک میان حسن و عشق	عندلیبان چمن جبتک گلوں پر ہوں نثار
بے ستوں جبتک کہ قائم گنبد خضرا ہے	اپنی گردش میں رہے مصروف جبتک روزگار
یہ ترا تاج شہنشاہی ترے سر پر رہے	تخت ہو تخت سلیماں تو سلیماں اقتدار
ہر جگہ عالم پر گڑے جھنڈا تری اقبال کا	عیسیٰ مریم رہیں ہردم ترے حامی بکار
خلق تیرے واسطے ہردم دعا مانگا کرے	خلق کی حاجت برآری ہو ترا ہردم شعار
دل بہی خواہوں کے ہردم ہوں شگفتہ مثل گل	قلب حاسد میں رہے ہردم خلش گر نوک خار

خوب کی تو نے خداوند مجازی کی ثنا
واہ کیا کہنا ترا اے عرشی مدحت نگار

حافظ محمد عبد العزیز خاں عرشی (پانی پتی)
وکیل ممالک محروسہ سرکار نظام

جشن تاج پوشی ملک معظم قیصر ہند دام اقبالہٗ

ساقیا دے جام کہ مغرب سے اٹھی ہے گھٹا
جھومتی آتی ہے مستوں کی طرح ابرِ صبا

آسماں کی سمت ہے غنچوں کی چشمِ نیم وا
ساغرِ خالی لئے ہیں ہاتھ میں گل برملا

گرد آلودہ نگاہوں کی کثافت دور ہو
ایک چھینٹا جلد پڑ جائے کہ کلفت دور ہو

سوئے گلشن دیکھ جلدی کیا سماں ہے کیا بہار
زر یہ کیوں غنچے لئے ہیں ہاتھ میں بہرِ نثار

رقص میں طاؤس بھی مشغول ہیں مستانہ وار
بلبلیں شادان و فرحاں کرتی ہیں نغمے ہزار

ہر طرف کن کے قدم آئیں گے جن پر ناز ہے
سبزۂ خوابیدہ گویا فرشِ پا انداز ہے

جشنِ جمشیدی کا پہلا آج یہ سامان ہے
بھولنا اس کو نہ ساقی تجھ ہی پر جو پیماں ہے

اضطراب شاق مشتاقوں کو ہے آ کے آنکھ
دیر کیوں کرتا ہے ظالم کس طرف کو دھیان ہے

دل کو مستانہ گھٹائیں کر کے تڑپانے لگیں
موج آتی آتی وہ انگڑائیاں آنے لگیں

دیکھ تو ہے کون کون اس تیری محفل میں [illegible]
ہر کوئی زریں گدا ہے ہر کسی کے سر پہ تاج

ہو گیا پرہیزگاروں کا بھی اس [illegible]
یہ وہ موقع ہے کہ جس میں ایک پیتا اور [illegible]

ہنستے جاتے ہیں [illegible] وہ خواہ [illegible]
بزم آرائی ہے یہ دربارِ دہلی کے لئے

سرزمینِ ہند کی یہ ہے قدیمی تخت گاہ
ہر طرف ہیں آج تک باقی ہیں اس کے عز و جاہ

اس سے پہلے بھی یہاں گذرے ہیں [illegible]
شاہِ انگلستان نے بھی کی ہے اس [illegible]

جمع ہر شاہی پہ چھایا جانور وحشی کیلئے
آ گئی لندن سے قیصر تاجپوشی کیلئے

تجھ کو اے دہلی مبارک عیش و عشرت کا سماں   اختر اقبال تیرا اوج پر ہے بیگماں
نیک دن آئے ہیں تیرے لیے ہوا شادماں   بخت جاگا اٹھا تیرا سو گئی قسمت دشمناں

پھر تجھے عالم کہیگا انتخابِ روزگار
یادگارِ دہر میں پہلے تیرا ہوگا شمار

مرحبا اے شانِ دہلی آفریں صد آفریں   دھوم ہے گھر گھر تری چرچا ہے تیرا ہر کہیں
قابلِ توصیف ہے ہر بات میں تو بالیقیں   صفحۂ ہستی سے تیرا نام مٹنے کا نہیں

صورتِ لندن ہے ہندوستان میں تیرا وجود
آج تیرے تخت پر قیصر کا ہے پہلا ورود

کون قیصر فی الحقیقت جو ہے سب شاہوں کا شاہ   کون قیصر دور ہے ماہی سے جس کا تا بماہ
کون قیصر عہد میں جسکے نہیں فریاد و آہ   کون قیصر جو ہے گردوں بارگاہ و عرش جاہ

چھا گیا انصاف کا جس کے اثر آفاق پر
عدلِ کسریٰ رکھدیا جس نے اٹھا کر طاق پر

کس قدر حاصل ہیں سب کو مذہبی آزادیاں   سچ ہے ہے جدا آپ سب قوموں کی جو ہے اقتدار
ہوں مسلماں یا کہ ہندو ہیں ہر ہوں نانک پنتھیاں   شکر کی ہے ہر طرف آواز شور و اہل

کیوں نہ شیدا ہو نہ عالم اپنے تخت و تاج کا
اب بھی حامل ہے مزا ہر ایک کو اپنے راج کا

مرحبا اے دولتِ برطانیہ صد مرحبا   تیرے عدل و داد کا ہر ایک ہے مدحت سرا
[illegible]   شیر بکری پیتے ہیں اک گھاٹ پانی پر

[illegible] الٰہی [illegible] تا [illegible]

تاجداران زمانہ کے لئے سرتاج ہو

سینکڑوں آرام بخشے ہیں ہمیں اس راج نے
ہو چکا کثرت سے ہیں ہر علم و فن کے مدرسے

ملک کو کیا فائدے پہنچا رہی ہے ریلوے
ڈاکخانہ۔ تار گھر سب ہیں ہمارے واسطے

وصف کیا کیا کیجیے اس امپیرر کے راج کا
دل سے ہے ممنون سارا دہر انگلش راج کا

شاہ کے آنے سے بڑھ جائیگی قوت ہند کی
دیکھئے گا پھر وہی پہلی سی شوکت ہند کی

فی الحقیقت اب سنور جائیگی حالت ہند کی
دور ہو جائیگی دم میں سب مصیبت ہند کی

قحط بھی طاعون بھی دنیا سے سب اٹھ جائینگے
ہندیوں کیواسطے اب چین کے دن آئینگے

نیک طینت جارج پنجم ہے اپنا امپیرر
بخشش و انصاف میں ہے فرد و یکتا امپیرر

مخزن خلق و مروت ہے سراپا امپیرر
حبذا وہ ملک ملجائے جو ایسا امپیرر

یاخدا ٹوٹے نہ ہرگز اس حکومت کا قیام
دولت انگلینڈ کا سایہ رہے ہم پر مدام

عالم ہستی میں جب تک ہے قیام آفتاب
سیپ میں ہوتی ہے جبتک اور موتی میں آب

دولت انگلینڈ سے ہوتے رہیں ہم فیضیاب
یاخدا اس عہد کو آنے نہ پائے انقلاب

قیصر ہندوستاں کا ہو فزوں جاہ و جلال
ہر گھڑی راحت سے گذرے چین سے ہر ماہ و سال

باغ عالم میں ہیں جبتک بلبلوں کے چہچہے
صورت گلزار اپنا امپیرر پھولے پھلے

خوش رہیں احباب ہوں پامال دشمن جتنے ہیں
بہرہ ور ہو اک عالم امپیرر کے فیض سے

آپکا لطف و کرم برقرار رہے ہمیشہ شاد
دل کا مقصود گوہر سے بھرے پل نہال

تازہ غزلیں

(از جناب شیخ عصمت اللہ صاحب جعفری تخلیص ایڈیٹر)

نظر آتا نہیں اک تار بھی جیب گریباں میں — خدا کے واسطے ترقی ہو مرے وحشت کے ساماں میں

یہ کیا تاثیر تھی یارب نگاہ ناز جاناں میں — تڑپ میرے جگر میں ہے کھٹک ہے میرے کاہل میں

سراپا آرزو میں بن گیا ہوں شوق جاناں میں — نہاں ہیں حسرتیں سو مری اک اک ایماں میں

کوئی دیتا ہے حکم قتل کوئی کفر کا فتویٰ — خدا جانے میں کیا کہتا ہوں جوش عشق جاناں میں

پھر ہے جوش وحشت اور اُدھر پاس ادب اُنکا — گریباں ہاتھ میں ہے اور سر اپنا گریباں میں

زباں ہو تو تم کو اک زمانہ کیا نہیں کہتا — مگر کچھ اور ہی ہو میرے عقیدے میرے ایماں میں

جگر اور دل کے بدلے درد دل ہم مول لائے ہیں — یہی تھی اک جنس بے بہا الفت کی دکاں میں

انہیں کے ہاتھ ہے اب شرم اس محفوظ عاصی کی

پڑا ہے اُنکے قدموں میں چھپا ہے اُنکے داماں میں

از جناب محمد مشیت اللہ تبسل - گنگوہی

وہ اغیار سے ہاتھ ملوا رہے ہیں — نئی قسم کی ہم سزا پا رہے ہیں

تبسم وہ گلشن میں فرما رہے ہیں — نئے رنگ کے پھول برسا رہے ہیں

جو ناواقف ہیں انکو سمجھائیں جا کر — مجھے کیوں یہ نا فہم سمجھا رہے ہیں

نہ کرتے محبت نہ یہ رنج سہتے — ہم اپنے کئے کی سزا پا رہے ہیں

کہا میں نے غیروں سے رکھو نہ محبت — یہ کیا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

مجھے کیا طور پر ہم کو اسکی ضرورت ! — ہمیں سارے جلوے نظر آ رہے ہیں

میرے پاس رکنے کی امید کیا ہو — وہ ہمراہ غیروں کے جا رہے ہیں

وہم نزع آئیں غلط ہے یہ قاصد — تعجب سے ہم ہو رہے ہیں وہ بہلا رہے ہیں

نتیجہ محبت کا نکلا یہ بسمل

کہ ہم ہجر میں جان سے جا رہے ہیں

(از جناب مسٹر محمد عبد اللہ صاحب محسن لاہوری)

یہ تھا دل میں کہ حسن و عشق کچھ دلبر کو سمجھاتے — مگر میں ہوں کیا اس شوخ افسوں گر کو سمجھاتے

ہجوم اضطراب غم سے کچھ فرصت اگر ملتی — تو برق خندۂ ناز پری پیکر کو سمجھاتے

کبھی ارباب ذوق و شوق نزہت گاہ عالم — زبان حال سے کچھ مرغ نامہ بر کو سمجھاتے

متاع ہوش سوز آتش حسرت جلا دیتا — جو کچھ وہ شعلہ خو مجھ سوختہ تر کو سمجھاتے

نکل جاتی محبت بنگالہ کی ساری فسوں سازی — ہم ایسا کوئی جادو چشم جادوگر کو سمجھاتے

عزیز اپنے گدا سے کیوں کھلا گنجینۂ رحمت — کوئی صاحب مرو شاہ و ہمایوں فر کو سمجھاتے

چراغ اہل دل ہوتا ہے روشن نور ایمان سے — یہ نکتہ عارض گیسوے سیمیں بر کو سمجھاتے

تلاش آب حیواں میں بھلا کام کیوں رہتا — جو تم آ کے خضر راہ شوق اسکندر کو سمجھاتے

نظر آتی نہیں کوئی بھی گر آرام کی صورت — مصیبت وحشت ہجران کی دل مضطر کو سمجھاتے

گلہ ہو تشنہ کامی کا گلو پر شوق میں کب تک — تمہارے قاتل فدا آب دم خنجر کو سمجھاتے

شکست شیشۂ دل کی صدا سنکر وہ بولے گو — نگاہ ناز کچھ تو عاشق ششدر کو سمجھاتے

علاج درد دل ایسا نہیں مطلوب گر ہوتا — تو دست خوشامد کر کے چارہ گر کو سمجھاتے

جو شب ہجر [illegible] — تو کچھ [illegible] محشر کو سمجھاتے

یہ کچھ جذبات الفت کا خون کر کے [illegible] محسن

نہ مست ناز کیا کیا [illegible] اثر کو سمجھاتے

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی - مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ قیمت ۔ ۱۲

اقبال دلہن - مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خانصاحب قسم اول ۷ قسم دوم ۶

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن ۱۲

ابو مسلم خراسانی - رسالہ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے
مولوی محمد حلیم صاحب سدولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمائش پر عربی
سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت ۱۲

کلام نیرنگ - یہ سید غلام بھیک بی اے ایل ایل بی وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ہے ۱۲

انتخاب مخزن - مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب قیمت ۔ ۔ ۔ ۸

درد جانستان - مصنفہ حکیم سید منیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دلی کا سچا قصہ ۸

دربار نمبر - جناب تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نکالا گیا تھا ۲

مثنویات میر حسن - مثنوی بے نظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کی گئی ہے

سیر تبت - انگریزی کتاب فی ریڈرس ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور تبت کے متعلق حالات وغیرہ

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم
لاہوری نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں - کاتبوں اور شائقین خط کے
واسطے تیار کیا - جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں
علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اس کے اہتمام میں مد نظر رکھا
ہے دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اسوقت تک نہیں چھپی قیمت ۵

فہرستیں بنام مینیجر مخزن لاہور آنی چاہییں

شائقین کتب ملاحظہ فرمائیں

(مشکل کتابوں کا حل)

مندرجہ ذیل کتابیں کوئی حل نہ کر سکا اور نہ کوئی انشاءاللہ حل کر سکتا ہے۔

یعنی پتھروں کو پانی کر کے بہا دیا۔ دیکھنا غور طلب ہے۔

حل قصائد خاقانی۔ مصنفہ کریم منشی فاضل و ایم اے حصہ اول ۔۔۔۔ ۳ر

حصہ دوم زیر طبع ہے

یہ وقفہ اس لئے کہ ہم کو چوروں سے پناہ نہیں۔ جو گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مرد میدان ہے تو دوسرا حصہ حل کرے۔ مشکل قصائد میں نے حل کر دئے۔ آسان باقی ہیں

حل کلیات اردو۔ مرزا غالب مرحوم ۔۔۔۔ ۱ر

حل قصائد خاقانی۔ کورس منشی عالم ۔۔۔۔ ۹ر

حل نکات۔ مولانا مرزا عبدالقادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ در تصوف ۱۲ر

شوکت التجدید۔ یہ کلیات جو قصائد و غزلیات و رباعیات و سلام اردو اور بھاشا وغیرہ کی نظم سے مرقع ہر ادب شاعری کی دنیا جسکی منتظر ہے پیشگی قیمت آرہی ہے زیر طبع ہے۔ پیشگی عہ اور بعد طبع ۔۔

اعلان عام جو صاحب کامل شاعر بننا چاہیں۔ میری جانب رجوع لائیں جیسا کلام ہوگا۔ اسی درجے کی اصلاح ہوگی۔ کلام بھیج کر آزما لیں

جو صاحب کسی کتاب اردو بھاشا فارسی اور عربی میں اصلاح لینا چاہیں فیس کے بارہ میں مراسلت کریں۔ اکثر کتابوں کا ترجمہ مطلب آج تک صحیح نہیں ہوتا غلطیوں کو صحیح مجھ سے جانا

مجدد السنۂ مشرقیہ احمد حسن شوکت میرٹھی

اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

مظلومانِ طرابلس فنڈ کی امداد

ہم نے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ اٹلی کا مال ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آرڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کر دیا ہے۔ نیز ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ملکی ٹوپیوں (محسن الملک پیٹنٹ و وقار الملک پیٹنٹ ساختہ کرسٹی لندن) کی جس قدر بکری یکم نومبر سے تا اختتام جنگ ہوگی۔ اس میں سے فی ٹوپی ۴ر مصیبت زدگانِ طرابلس فنڈ کے لئے نذر کرینگے۔

محسن الملک پیٹنٹ۔ استر تمام ٹاٹی چمڑے کا ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہے۔ قیمت مع پھندنا استنبول اعلیٰ قسم ۸ روپے

وقار الملک پیٹنٹ بشرحِ صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کیلئے چمڑے کی پٹی قیمت مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸ روپے

تازہ مال آگیا ہے (اس میں بہت سے نگ اور ساز موجود ہیں۔ فرمائش کے ہمراہ ساتھ ناپ۔ رنگ وغیرہ کی تشریح فرما دیں۔

سردیوں کیلئے تازہ مال۔ سویٹر بنیائن کمبل موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست و مکان مفت)

عبداللہ برادرز مرچنٹ انارکلی لاہور

[illegible]

فائدہ ۱ جسکی تصدیق ایک ... [illegible]

فائدہ ۲ جسکی تصدیق ... [illegible]

بیہوشی اور سردی پیدا ہو گیا تھا ... [illegible]

فائدہ ۳ جسکی تصدیق ... [illegible]

فائدہ ۴ جسکی تصدیق ... [illegible] ... سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا اور ... [illegible]

فائدہ ۵ جسکی تصدیق ... [illegible]

فائدہ ۶ جسکی تصدیق ... [illegible]

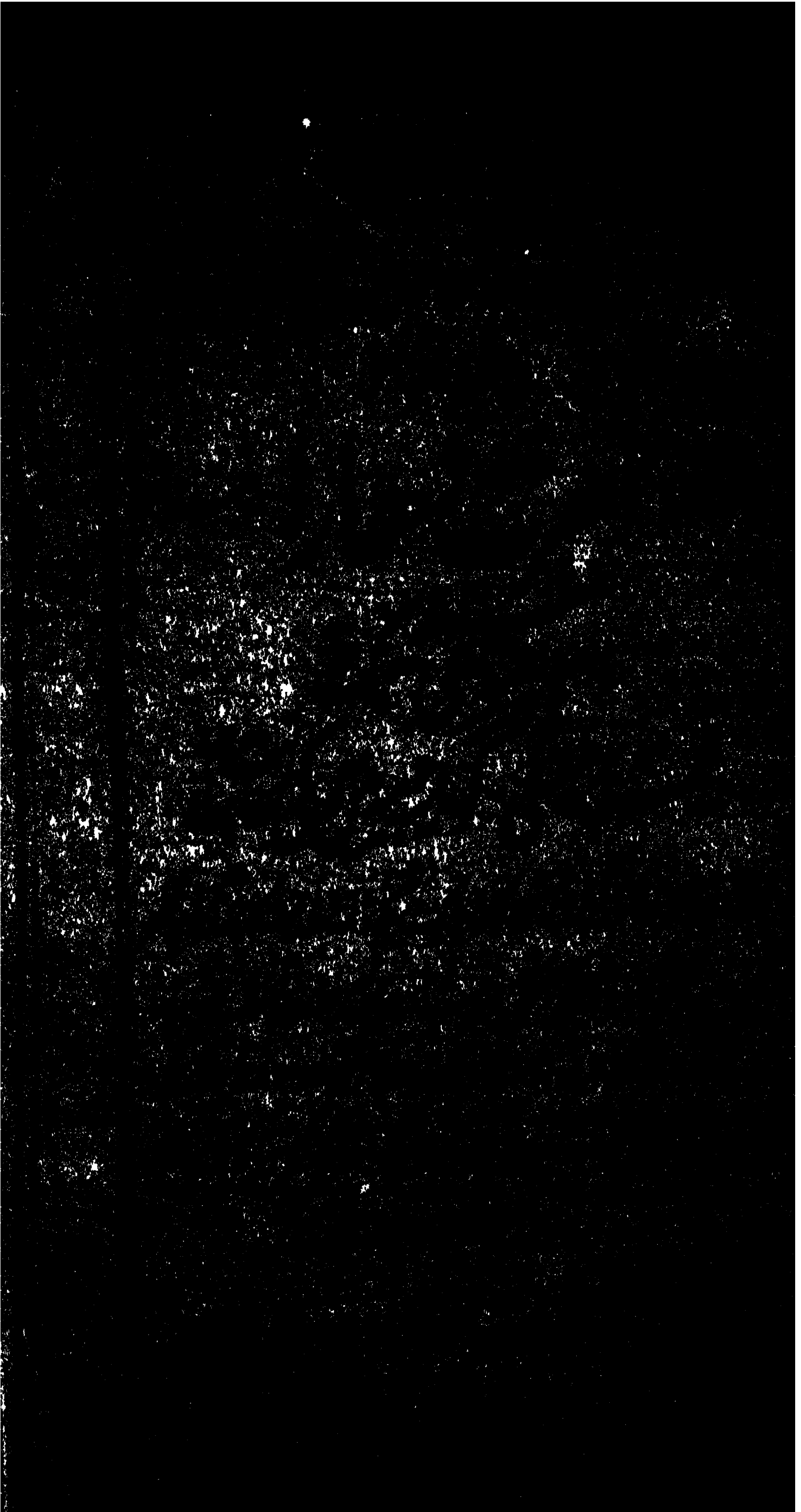
فائدہ ۷ جسکی تصدیق ... [illegible]

فائدہ ۸ جسکی تصدیق ... [illegible]

الغرض جوہر حسینی اور عرق ... کا ترکیب سب عمدہ اور بہتر ... [illegible]

[illegible]

[illegible]



طب یونانی کی بقا کے لیے

[illegible]

[illegible] مستقل [illegible] شہرت [illegible] اطراف ہندوستان [illegible]

[illegible] حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت [illegible]

[illegible] کی ذات سے ہیں اور انھیں کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ جناب [illegible]

[illegible] فن شریف کی ترقی کے ارمان لگے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات [illegible]

[illegible] عالی شان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی [illegible] ان کے احباب [illegible]

[illegible] اور ان کی مستقل اور خاموش کوششوں کا ثمرہ ہو گو اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی [illegible]

لیکن حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا [illegible]

ہر شخص [illegible] اس کو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جس غرض سے یہ تیار [illegible] ہیں کوئی

مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصلی اور بہترین اجزاء سے بنی ہوئی یونانی ادویات [illegible] کے

طرز شناخت میں تہذیب و ترقی دواخانہ کا مقصد ہے پیدا کرتا [illegible] بہت سی [illegible]

[illegible] امراض کے [illegible] طور پر [illegible] ہیں۔ بلکہ حکما کے [illegible] نسخے [illegible]

[illegible] اصل [illegible] دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں [illegible]

اس دواخانہ کی آمدنی [illegible] طب کے زنانہ شفاخانہ [illegible]

[illegible] حکیم [illegible] الملک [illegible] اپنے [illegible] بزرگ [illegible]

[illegible]

[illegible]